82

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ہم جو ترک دنیا کیے ہوئے ہیں یہ قناعت کے سبب سے ہے مگر واقعہ یہ نہیں ہے کہ ہم جستجو کرتے کرتے تھک گئے ہیں تو اس سے ہم پڑ رہے ہیں لہذا ہم تکیہ گاہ ہمت مردانہ (یعنی قناعت کے لیے جو دراصل بربنائے ضعف ہے) وبال ہیں یعنی ہمت مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہے اور ہمارا قناعت پر تکیہ ضعف سے ہے نہ کہ ہمت مردانہ سے۔ جو لوگوں کو قناعت کا فریب دیتا ہے اسلیے تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم سے شرم کرتی ہے۔

دائم الحبس اسمیں ہیں لاکھوں تمنائیں اسدؔ — جانتے ہیں اس دل پرخوں کو زندانخانہ ہم

میرا دل پرخون ایک ایسا قید خانہ ہے جس میں لاکھوں حسرتیں ہمیشہ کے لیے مقید کردی گئی ہیں یعنی میرے دل کے ارمان کبھی پورے نہیں ہوتے۔

بنالہ حاصل دلبستگی فراہم کر — متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

اگر تو دل بستہ ہے تو رونا بھی اختیار کر کیونکہ زنجیر جو ایک دل بستہ ہے اسکے گھر میں سوائے نالہ و فریاد کے کچھ نہیں ہے۔ گویا حاصل دلبستگی رونا ہے۔ ایک میرا شعر ہے ؎

گل داغ جنوں ہیں دل میں اب زدنا ہی لازم ہے — ہمیں اس باغ کی کرنی پڑیگی باغبانی بھی

مارا دیار غیر میں مجھکو وطن سے دور — رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

مجھکو خدا نے غریب الوطن مارا اور پردیس میں موت دی۔ اس صورت میں گویا اسنے میری بیکسی کی شرم رکھ لی۔ کہ جیسا میں بیکس تھا اس کے لیے غریب الوطنی کی موت بھی ضرور چاہیے تھی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر میں وطن میں بھی مرتا تو بھی بسبب اسکے کہ میں ایک بیکس تھا کوئی مجھے رونے نہ آتا یا میرا کوئی غم نہ کرتا اور یہ امر میرے لیے باعث رنج اور دوسروں کے لیے ہنسنے کا موجب ہوتا لیکن اب جو پردیس میں میری لاش بے دفن و کفن پڑی ہوئی ہے اور کوئی رونے والا نہیں ہے تو کم انکم لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ ایک بیکس تھا غریب الوطن تھا بخلاف وطن کے کہ یہی واقعہ وہاں بھی

ہوتا مگر وہاں باعث شماتت ہمسایہ ہو جاتا۔ آتش مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے — ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر

مولانا ناطق صاحب فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

رونے والے نہ تھے غربت کی اجل پر نہ سہی — ہنسنے والا تو وہاں کوئی دل زار نہ تھا

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا — رکھ لیجیو میرے دعوئے وارستگی کی شرم

اے خدا اُسکے دام زلف کے حلقہ میرے پھانسنے کی گھات میں لگے ہوئے ہیں اور میں ہنوز خود کو آزاد ظاہر کرتا ہوں اور دراصل آزاد ہوں تو اس صورت میں اگر وہ میرے اسیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری آزادی پر حرف آجائے گا لہذا اے خدا مجھے اُنسے بچانا اور میری وارستگی اور آزادی کے دعوے کی شرم رکھ لینا۔

ردیف نون (ن)

لوں دام بخت خفتہ سے اک خواب خوش ولے — غالبؔ یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

میرا نصیبہ سو رہا ہے۔ اور میں بے خواب ہوں۔ تو اس حالت میں اپنی رفع تکلیف کے لیے ایک میٹھی نیند میں اپنے بخت خفتہ سے قرض ضرور لے سکتا ہوں۔ مگر اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مجھے تو کبھی خود نیند آتی ہی نہیں ہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں — وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

یہ تمام غزل ایک ہی رنگ میں کہی گئی ہے جس میں گذشتہ زمانہ کو یاد کیا گیا ہے کہتا ہے کہ دل میں وہ ذوق و شوق ہی باقی نہیں رہا جس کی بدولت وصل کی خوشی اور ہجر کا غم ہوتا تھا۔ وہ زمانہ اسکی راتیں اس کے ماہ و سال خواب و خیال ہو گئے۔

فرصت کاروبار شوق کسے — ذوق نظارۂ جمال کہاں

اب نہ دل میں عشق باقی ہے نہ تمنائے دیدار معشوق کا کہیں پتہ ہے۔

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا — شورِ سودائے خط و خال کہاں

دل تو اپنی جگہ ہے وہ تو خیر گیا ہی اب وہ دماغ بھی باقی نہیں رہا خیال خط و خال کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

تھا وہ اک شخص کے تصور سے — اب وہ رعنائیِ خیال کہاں

صرف ایک شخص کے تصور کا کرشمہ تھا کہ ہم کو جمال وغیرہ اچھا معلوم ہوتا تھا اب تصور ہی باقی نہیں رہا کہ جمال کی رعنائیاں ہم کو فریفتہ کریں۔ یہاں ایک شخص کی جگہ کوئی دوسرا لفظ شوخ وغیرہ کہہ دیا جاتا تو خلافِ مقام ہو جاتا اور معلوم ہوتا کہ ابھی ذوقِ شوق اور حسن کی پرکھ اور جسکا دل میں باقی ہے کہ اس کو شوخ کہا گیا لہذا ایک سادہ لفظ شخص کہا۔

ایسا آساں نہیں لہو رونا — دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

جیسا کہ آنکھوں سے لہو بہانا پہلے آسان معلوم ہوتا تھا اب کہ تمام طاقت سلب ہو چکی ہے وہ خونفشانیاں آسان نہیں معلوم ہوتیں نہ جگر میں وہ طاقت ہے نہ دل میں وہ توانائی ہے۔

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق — واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں

قمار خانۂ عشق ہم سے چھوٹ گیا کیونکہ وہاں جائیں تو کس برتے پر جائیں اب نہ اپنے پہلے نقد دل ہے نہ زر داغ جنون ہے۔

فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں — میں کہاں اور یہ وبال کہاں

اب افکار دنیوی سے پریشان ہوں اور سب روز اسی میں سرگرداں رہتا ہوں ایک زمانہ تھا کہ مجھے اس وبال سے کوئی سروکار اور تعلق ہی نہ تھا۔

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ — وہ عناصر میں اعتدال کہاں

اب تمام قوائے جسمانی ضعیف و نحیف ہو گئے۔ وہ جوانی کا سا اعتدال مزاج میں باقی نہ رہا۔

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہیں — ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

ہم سے معشوق نے وفا کی تو دشمن اس کو جفا اور معشوق کو ظالم کا خطاب دیتے ہیں مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہی قاعدہ ہے اچھوں کو برا کہا ہی کرتے ہیں۔ اس میں معشوق کو اچھا کہہ کر اپنے ساتھ وفا کرنے پر تحریص دلائی گئی ہے۔

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے — کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھیے کیا کہتے ہیں

آج ہم اس ارادے سے اُنکے پاس جاتے ہیں کہ اپنی پریشانیِ دل کا ان سے اظہار کریں مگر دیکھیے یہ تو سب ارادہ ہی ارادہ ہے اس کو دیکھکر ہمارے منہ سے کیا نکلتا ہے یا وہ یہ حال سنکر کیا کہتے ہیں کسی کا مشہور مصرع ہے

خدا جانے وہ کیا پوچھیں زباں سے میری کیا نکلے

نواب مصطفٰے خان شیفتہ فرماتے ہیں کہ

اُس سے میں شکوہ کی جا شکرِ ستم کر آیا — کیا کروں تھا میرے دل میں سو زباں پر آیا

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو — جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

مے و نغمہ کو پرانے آدمی کہتے ہیں کہ اندوہ ربا اور غم غلط ہے۔ اور آجکل کے زمانہ میں ان میں یہ صفت باقی نہیں رہی ہے کہ اندوہ و غم ان سے کم ہو جائے سو ان لوگوں سے اس بنا پر جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے شراب اور نغمہ میں پہلے یہ خاصیت ہو گی جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں اگرچہ آج نہیں ہے

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے — اور پھر کونسے نالہ کو رسا کہتے ہیں

یہ شعر نہایت ہی اچھا کہا ہے جس میں اپنی محرومی کا نقشہ کھینچا ہے گویا کہ شاعر نے نالۂ رسا کا نام سنا ہے مگر اس کو کبھی دیکھا نہیں ہے یعنی اس کے نالہ کو کبھی

اثر تک رسائی نصیب نہین ہوئی ہے اسی بناپر وہ ایک سوال مقدر کا جواب دیتا ہے کہ نالۂ رسا اور کیا ہوتا ہے یہی ہے کہ غش سے فرصت ملی تو نالہ دل مین موجود ہو گیا اس صورت مین گویا وہ یہ جانتا ہی نہین ہے کہ نالۂ نارسا اس کو کہتے ہین جس کی پہونچ اثر تک ہو۔

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود — قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہین

ہم قبلہ کو سجدہ نہین کرتے بلکہ قبلہ کو محض قبلہ نما سمجھتے ہین کہ وہ ایک جہت معین ہے ہمارا مسجود وہ ہے جو ادراک کی حد سے باہر ہے اور جہات وغیرہ سے منزہ اور مُبرّا ہے۔ ع

بسوئے کعبہ سجدہ ہے مگر مسجود تو ہی ہے

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے — خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہین

مہر گیا ایک بوٹی ہے جس کا خواص یہ ہے کہ جو اس کو اپنے پاس رکھتا ہے اسپر لوگ مہربان ہو جاتے ہین۔ اسی بناپر مصنف کہتا ہے کہ تجکو ہمارے زخمی پاؤن پر جن مین کانٹے چبھے ہوے ہین جب سے رحم آیا ہے تو راہ کے کانٹون کو ہم کانٹا نہین کہتے بلکہ مہر گیا کہتے ہین کہ اس کی وجہ سے تجکو ہمپر رحم آیا۔

اک شرر دل مین ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا — آگ مطلوب ہے ہمکو جو ہوا کہتے ہین

روح حیوانی دل مین اک شرارہ ہے اس سے ہم کیا گھبرائینگے جب حال یہ ہے کہ ہم دل کی آگ بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہین یعنی ہمارا سانس لینا محض اشتعال حرارت غریزی کی غرض سے ہے اس مسئلہ کو مصنف نے کئی جگہ نظم کیا ہے

دوسرا پہلو اسمین یہ بھی ہے کہ لوگ ہمکو طعنہ دیتے ہین کہ دل کی آتش غم سے گھبرا کر ہمکو ہوا کھانے کی ضرورت پڑتی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم گھبرا کر گرمی کے مٹانے کے واسطے ہوا نہین کھاتے ہین بلکہ آگ کے بھڑکانے کے لئے ہوا کھاتے ہین یعنی سانس لیتے ہین اسی طرح مصنف ایک جگہ کہتا ہے ؎

زخم سلوانے سے مجھپر چارہ جوئی کا ہے طعن — غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن مین نہین

پاے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی — سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

دیکھئے لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین

دیکھئے اب اس کا غرور کس حد تک تجاوز کرتا ہے کیونکہ ہم کو عادت ہو گئی ہے کہ اسکی ہر بات سنکر ہم تعریف و توصیف کرتے ہین ؎

جو کچھ کیا وہ سب مرے دل نے کیا قصور — سہ سہ کے ظلم تجکو ستمگر بنا دیا

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہدین شاید — مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہین

وحشت سے یا غلام علیخان وحشت یا جنون۔ اور شیفتہ سے یا نواب مصطفی خان شیفتہ یا عام عاشق دونون مراد ہو سکتے ہین یعنی یا تو دونون صاحب میرا مرثیہ کہینگے یا وحشت دل جو میری کمال رفیق ہے میرا غم کریگی یا عشاق جو میرے ہم مشرب ہین میرا غم کرینگے۔ وحشت صاحب حکیم مومن خان کے شاگرد تھے اور نواب مصطفی خان صاحب فارسی مین مرزا سے اور اردو مین حکیم مومن سے تلمذ رکھتے تھے مرزا غالب انکے کلام کے نہایت مداح تھے اور اکثر انکی قابلیت کا اعتراف کرتے تھے شیفتہ مرحوم فارسی مین حسرتی تخلص کرتے تھے چنانچہ مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

غالب ز حسرتی چہ سرایم کہ در غزل — چون او بتلاش معنی و مضمون نکردہ کس

ایک جگہ یون کہتے ہین ؎

غالب بفن گفتگو نازد بدین ارزش کہ او — ننوشت در دیوان غزل تا مصطفی خان خوش نکرد

آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن مین نہین — ہے گریبان ننگ پیراہن جو دامن مین نہین

اس گل کی کیا آبرو ہے جو گلشن مین نہو وہ گریبان ننگ پیراہن ہے جو دامن مین نہو ظاہر ہے کہ گریبان دامن مین جبھی پہنچیگا جب چاک ہو جائے گا۔ اور جب چاک ہوا تو گل سے مشابہت پیدا ہو جائے گی۔

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن مین نہین — رنگ ہو کر اڑ گیا جو خون دامن مین نہین

ہے اے گریہ ضعف سے کچھ میرے بدن میں باقی نہیں رہا۔ جو خون آنکھوں کی راہ سے نہیں نکلا ہے وہ رنگ ہو کر اڑ گیا ہے ضعف میں رنگ کا اڑ جانا ایک ایسی بات ہے جو محتاج بیان نہیں ہے۔

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہِ آفتاب ذرے اسکے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

جن ذروں کو اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں دیکھتے ہو یہ دراصل ذرے نہیں ہیں بلکہ نگاہ آفتاب کے اجزائے پریشان ہیں جو یہاں آکر جمع ہو گئے ہیں یعنی آفتاب بھی اس کو روزن دیوار سے تاکتا جھانکتا ہے ایسا ہی شعر گذر چکا ہے روزنِ دامن ہے

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

عشق خانہ ویراں سے دنیا کی رونق ہے اگر یہ برق خرمن ہستی میں نہ چمکے تو وہ انجمن بے شمع سے زیادہ وقیع نہیں ہے۔

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

زخم میں ٹانکے دلوانے سے مجھے یہ طعنہ دیتا ہے کہ میں اپنے علاج میں مصروف ہوں لیکن غیر کو یہ خبر نہیں کہ میرے ایذا پسند دل کو اُس زخم میں جو ٹانکے دیئے جانے کے وقت ہوتے ہیں ایک لذت آتی ہے۔ یہ شعر اور اسکا ہم مضمون شعر ہم پہلے لکھ چکے ہیں

رفوے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی سمجھنا مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

کیا کہوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن میں نہیں

مجھ سے میرے زندان خانۂ غم کی تاریکی کا حال کیا پوچھتا ہے یہاں عجب ظلمت ہے جس کی دیواروں کے اندر اگر روئی رکھ دیں جو بند کر دینے اور اندھیرا کرنے کا سامان ہے تو صبح کی طرح اُس سے روشنی پھیل جائے اور یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ بہت ہی زبردست اندھیرا ہوگا وہاں ایسی معمولی چیز سے بھی روشنی ہو گی۔ ایک جگہ اور بھی فرماتے ہیں۔

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی شب مہ ہو جو رکھدیں پنبہ دیواروں کے روزن میں

دود دل سے ہے یہ تاریکی مرے غمخانہ میں شمع ہے اک سوزن گم گشتہ اس کاشانہ میں

بسکہ ہم ہیں اک بہار ناز کے مارے ہوئے جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

چونکہ ہم کو ایک بہار ناز نے قتل کیا ہے۔ اسی وجہ سے اور اسی اثر سے ہماری قبر میں گرد کا نام نہیں ہے بس ہر طرف گل ہی گل ہیں۔ اس میں دو پہلو نکلتے ہیں ایک یہ کہ اُسکا تصور ہم کو اب تک باقی ہے یا اب تک ہمارے جگر میں داغ موجود ہیں جو گل سے مشابہ ہیں دوسرے یہ کہ ہم شہید ہوئے تھے اور اس کے ثواب میں ہماری قبر میں جنت موجود ہے پہلے معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا خوں بھی ذوق درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

میرے جسم میں ہر ایک قطرۂ خون ایک نئے ناسور کا مادہ ہے یعنی جہاں جہاں کوئی قطرہ خون گرے گا وہ وہاں ناسور ڈال دیگا۔ اور نکل جائے گا۔ کیونکہ میرا خون بھی درد کا جویا ہے۔ اور ذوق درد اس میں بھی موجود ہے یہ ایسا ہی شعر ہے جیسا مصنف نے ایک جگہ کہا ہے

دکھاؤنگا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری موج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

رگ گردن اکثر غرور کے محل پر استعمال کرتے ہیں جیسے کہ خود مرزا صاحب مرحوم ایک جگہ کہتے ہیں

خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جائے غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے

اسی بنا پر شعر کے یہ معنی ٹھہرتے ہیں کہ ساقی کے پاس جو مینائے مے تھا اسکی موج شراب سے اس میں رگ گردن پیدا ہو گئی تھی یعنی شیشہ اپنے پُر ہونے پر مغرور تھا اور ساقی اترایا ہوا تھا کہ اتنی شراب کون پی سکتا ہے مگر میں ایک قلزم آشام میرے سامنے ایک شیشہ شراب کی کیا ہستی تھی سب چٹ کر گیا اب نہ ساقی کی وہ نخوت نہ شیشہ کو وہ غرور ہے۔

ہو فشار ضعف مین کیا ناتوانی کی نمود — قد کے جھکنے کی بھی گنجایش مرے تن مین نہین

ضعف مجکو چارون طرف سے دبائے ہوے ہے اور جھکنے بیٹھنے کی اجازت نہین دیتا پھر ایسی حالت مین میرا قد کیونکر جھکے اور میری ناتوانی کا اظہار کیونکر ہو۔

تھی وطن مین شان کیا غالب کہ غربت مین ہو قدر — بے تکلف ہون وہ مشت خس کہ گلخن مین نہین

غالب میری وطن ہی مین کیا شان تھی کہ غربت مین کچھ قدر ہو مین ایک مشت خاشاک ہون جو بھاڑ مین نہین جھکا ہون میرے لئے اگر آرام ہے تو گلخن ہی مین ہے کیونکہ جب تک وطن مین تھا خار زار اور خس و خاشاک مین ملا ہوا تھا اور وطن سے جدا ہوا تو خاک روبون نے جھاڑو دیکر شہر بدر کر دیا غرض وہان آرام تھا نہ یہان آرام ہے میرے لیے گلخن ہی مناسب ہے اس سے پہلے ایک جگہ فرما چکے ہین ؎

فنا کو سونپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا — فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اس شعر مین تصوفانہ رنگ کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے یعنی فنا ہو جانا بھی عین بقا ہے۔

عہدہ سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا — گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا کہون

مین اُسکے ناز کی تعریف نہین کرسکتا اگر اسمین ایک ادا ہو تو یہ کہکر فراغت پا جاؤن کہ اسی پر میری جان جاتی ہے مگر یہان تو ہزارون ادائین ہین گویا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم — کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

حلقہ مین چشم ہائے کشادہ بسوئے دل — ہر تار زلف کو نگہ سرمہ سا کہون

تیرے گھونگھر والے بالون مین جو حلقہ پڑے ہوے ہین وہ گویا آنکھون کے حلقہ ہین جو میرا دل چھیننے کے لیے تیار ہین اور اس کو دیکھ رہے ہین لہذا مناسب ہے کہ تیرے ہر تار زلف کو نگاہ سرمہ سا کا خطاب دون اور ہر ایک تار زلف کو اُس

چشم حلقہ کی نگاہ کہون۔ نگاہ اور چشم مین بڑا فرق ہے اور تمثیل بھی دونون نہایت ہی خوب ہین تعریف نہین ہو سکتی۔

مین اور صد ہزار نوا ہائے جان خراش — تو اور ایک وہ نشنیدن کہ کیا کہون

ذوق مرحوم نے گویا اس کی شرح مین یہ شعر لکھا ہے ؎

یان لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب مین — وان ایک خامشی تری سب کے جواب مین

لفظ کیا کہون کی تعریف نہین ہو سکتی جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ مجبوراً جب تو نہین سنتا تو مجھے خاموش ہونا پڑتا ہے۔ اور یون کیا کہون ایک عام محاورہ ہے اسمین نشنیدن ایک ایسا لفظ ہے جسپر ناسمجھ اردو سے فارسی خلط ملط کا غالب پر الزام لگائے گا مگر پہلے یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ اگر مصنف اسی لفظ کو اردو مین کہتا۔ ع

تو اور ایک تیرا نہ سننا کہ کیا کہون

تو شعر فلک الافلاک سے تحت الثریٰ مین پہونچ جاتا بلکہ صرف تفنن عبارت کے لئے اکثر جگہ ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اے لیجئے مجھے یاد آیا نقاد کلام اسد اللہ خان غالب جناب مرزا یاس آتش پرست نے اس شعر پر اعتراض بھی کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ نشنیدن کہ کیا کہون کی ایک ہی کہی" اردو کی پھوٹی ہوئی قسمت جہان تک ناز کرے کم ہے جس کا جواب رسالہ خیال مین اس صورت سے دیا گیا ہے "اعتراض ایک فارسی لفظ کے متعلق ہے اور محض اسیوجہ سے شعر بد مذاقی کا نمونہ بنگیا ہے۔ سبحان اللہ سبحان یاس کی امید پر علمی دنیا اور عالی خیالی کی پھوٹی ہوئی قسمت جہان تک ناز کرے کم ہے لطف دیکھئے کہ عالیجاہ خود دو سطر پہلے شعر مین لفظ نشنیدن کو ایک انوکھی ترکیب کے ساتھ استعمال کرآئے ہین اور فرماتے ہین ؎ یاس

آنکھ کا مارا مرے نزدیک آزاری نہین — جو سچ پوچھو تو ابھی کوئی بیماری نہین

خدا جانے یہ آزاری کہان کا لفظ ہے اور نشنیدن پر اس کو کیا فوقیت حاصل ہے۔ اور رسالہ خیال فروری ۱۹۱۶ء مولانا علی حیدر صاحب نظم اس شعر کی بابت یون فرماتے ہین۔ اس شعر سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ غالب سا شخص اس طرح اردو اور فارسی کا خلط کرے جیسے ایک بتدی سا بتدی اور گنوار سا گنوار بھی صحیح نہین سمجھتا مقام طنز مین

تفتن الفاظ اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سمجھ کر مصنف نے یہان تشیدن کہا ہے لیکن یہ تاویل مستلعد ہے اسمین شک نہین لیکن مین کہتا ہون کہ اگر کوئی تاویل نہ کیجاسے تب بھی یہ صحیح ہے غالب سے پہلے اور غالب کے زمانہ تک بے تکلف مصادر فارسی کا استعمال بجاے اردو کے کرتے تھے میر کہتے ہین ؎

آنسو کی بوند آنکھ سے دونون اب تو نکلتی یکہ نہین　　دل کے طپیدن روز و شب سے خوب جگر کا لہو ہوا

اسکے سواے مردن - رفتن - وغیرہ ابتک اردو مین بلا تکلف مستعمل ہین لہذا اسپر الفاظ اعتراض نادانی سے خالی نہین -

ظالم مرے گمان سے مجھے منفعل نہ چاہ　　ہے ہے خدا نکردہ تجھے بیوفا کہون

کہتا ہے کہ میرا گمان اور میری عقل مجھے تیرے بارے مین راے دیتی ہے کہ تو بیوفا ہے لیکن مین برابر تجھے باوفا کہے جاتا ہون اور انکی ایک نہین سنتا خدا کے لئے تو اسقدر بیوفائی پر کمر نہ باندھ کہ مجھے اپنے خیال سے شرمندہ ہونا پڑے اور خدانخواستہ مجھے وہ دن دیکھنا پڑے کہ مین بھی تجھے بیوفا کہون "ہے ہے خدا نکردہ سے" یہ مفہوم ہے کہ وہ دن دیکھنا مصنف کو پسند نہین -

مہربان ہوکے بلالو مجھے چاہو جسوقت　　مین گیا وقت نہین ہون کہ پھر آبھی نہ سکون

اس غزل کے تینون شعر ایک ہی رنگ مین کہے گئے ہین اور اسمین ایک صنعت رکھی گئی ہے کہ قافیہ دو معنون پر مشترک ہے اور اسیوجہ سے یہ شعر نہایت بدیہہ ہے - مجھے مہربان ہوکے جسوقت چاہو بلالو مین گیا وقت نہین ہون کہ جاکر پھر نہ آسکون -

ضعف مین طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے　　بات کچھ سر تو نہین ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون

یعنی حالت ضعف مین غیر مجھے طرح طرح کے طعنے دیتے ہین مگر مین اٹھاتا ہون بات کا اٹھانا میرے لئے ایسا دشوار نہین ہے جیسے سر کا اٹھانا یعنی اس وقت سب گوارا ہے -

زہر ملتا ہی نہین مجکو ستمگر ورنہ　　کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکون

افسوس ہے کہ مجکو کہین زہر نہین ملتا ورنہ جیسے تیرے ملنے کی قسم کھانا میرے لئے غیر ممکن ہے اسی صورت سے زہر کھانا مشکل نہین ہے حکیم مومن خان کے یہان اس صورت کے بہت اشعار پاے جاتے ہین جیسے ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دل آگ ہے اور لگائین گے ہم　　کیا جانے کیسے جلائین گے ہم

ایسی وحشت نہین دلکو کہ سنبھل جاؤن گا　　صورت پیرہن تنگ نکل جاؤن گا

اسی زمین مین اسی صنعت مین ذوق مرحوم فرماتے ہین -

سرد مہرون سے فلک ڈال نہ پالا کہین آگ　　نخل سر تازہ کی طرح سے جل جاؤن گا

دیکھنا حشر مین جب تم پہ مچل جاؤن گا　　داغ　مین بھی کیا آپکا وعدہ ہون کہ ٹل جاؤن گا

شمع سان برسر محفل نہ جلا دیکھ مجھے　　بیان　پھیل جاؤن گا ستمگر کہ جو جل جاؤن گا

مرزا غالب کے آخری شعر کے مصرع ثانی مین تین کاف ایک جگہ جمع ہونے سے تنافر پیدا ہوگیا ہے -

ہم سے کھلجاؤ بوقت مے پرستی ایکدن　　ورنہ ہم چھیڑینگے رکھکر عذر مستی ایکدن

مضمون رکیک سہی مگر اس سے مرزا کی شوخ طبعی کا پتہ چلتا ہے - تغزل کا گہرا رنگ اس مین بھرا گیا ہے - مطلب یہ ہے - ہم سے شراب پیتے وقت کسی روز بے تکلف ہوجایئے ورنہ ایکنہ ایک دن ہم آپ کو چھیڑین گے اور اگر آپ شکایت کرینگے تو ہمارے پاس معقول عذر مستی کا جواب موجود ہوگا -

غرۂ اوج بناے عالم امکان نہو　　اس بلندی کے نصیبون مین ہے پستی ایکدن

یعنی دنیوی بلند عمارات کی بنا پر مغرور نہو ایکدن اس عروج کو زوال ضرور ہوگا - ایکدن سے مراد روز قیامت بھی ہوسکتا ہے اور انقلاب زمانہ بھی خیال کیا جا سکتا ہے -

قرض کی پیتے تھے لیکن یہ سمجھتے تھے کہ ہان　　رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مولانا آزاد نے آب حیات مین لکھا ہے ایکدفعہ مرزا بہت قرضدار ہوگئے

قرضخواہون نے نالش کر دی جوابدہی مین طلب ہوئے مفتی صدرالدین آزردہ کی عدالت تھی جس وقت پیشی مین لگئے یہ شعر پڑھا۔ دوسرے تذکرے مین مین نے یہ دیکھا ہے کہ مفتی صاحب نے ازراہ قدردانی سارا قرضہ ادا کر دیا۔ اس شعر کی بنا پر یہ تمام شعر کہے گئے تھے ایک جگہ میر تقی صاحب میر فرماتے ہین ؎

مے کشی صبح و شام کرتا ہون — فاقہ مستی مدام کرتا ہون۔

نغمہ ہائے دلکو بھی اے دل غنیمت جانئے — بے صدا ہو جائیگا یہ ساز ہستی ایکدن

اے دل اگر نغمہ ہائے شادی نہین ہین تو نغمہ ہائے غم ہی کو غنیمت سمجھ کیونکہ ایکدن ایسا آئیگا کہ یہ ساز ہستی بیکار ہو جائیگا کہ اس سے نہ نوحہ غم کی صدا نکلیگی نہ شادی کی۔ مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

کشتی غم کی روانی بھی ہے اے دل مغتنم — یہ بھی اکدن نذر گرداب فنا ہو جائیگی

دھول دھپہ اس سراپا ناز کا شیوہ نہین — ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایکدن

یعنی وہ ظلم و ستم اور ہاتھا پائی کا عادی نہین ہے غالب یہ سب ہماری ہی خطا ہے کہ ہم نے ایکدن دراز دستی کی تھی جس کی اسنے ہم کو سزا دی۔ میرزا رفیع السودا فرماتے ہین کہ ؎

سودا کسیکو وہ تو بتائے نہ بے سبب — کیا جانئے کہ تجھ سے یہ کیا بات ہو گئی

لکھنؤ مین بجائے تجھ سے ہی کے تجھی سے بولتے ہین اور دلی مین دونون صورت سے مروج ہین اس صورت سے دوسرے الفاظ اسی قسم کے قیاس کر لیجئے۔

ہمپر جفا سے ترکِ وفا کا گمان نہین — اک چھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہین

وہ ہمپر جو جفائین کرتے ہین یہ امتحان وفا کے لئے نہین ہین یعنی انھین یہ خیال نہین ہے کہ دیکھین یہ جفا کرنے پر وفا کو ترک تو نہ کرے گا نہین یہ تو ہماری طرف سے انہین گمان بھی نہین کیونکہ ع

سمجھ رکھا ہے ظالم نے پھنسا دل کب نکلتا ہے

بلکہ یہ محض ایک چھیڑ ہے۔ بقول مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق مدظلہ ؎

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہین ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہین ذرا ستا کے مجھے

کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا — پرسش ہے اور پائے سخن درمیان نہین

غالباً یہ شعر حمد مین کہا گیا ہے کہ مین خدائے پاک کی حمد کس زبان سے ادا کرون کہ موقع پر میری خبر لیتا ہے اور ہمیشہ امداد کرتا ہے۔ اور پھر مجھ سے نہ گفتگو ہے نہ بول چال ہے۔ اگر تاویل کیجئے تو تغزل کے رنگ سے بھی باہر نہین ہے کہ وہ اغیار سے میری حالت معلوم کرتا رہتا ہے مگر مجھ سے کبھی بات نہین کرتا ہے گویا یہ انداز خاص میرے لئے ہے۔ اسی مضمون کے کئی شعر مصنف کے فارسی دیوان مین پائے جاتے ہین اور اردو مین بھی کئی شعر ہین جنمین سے ایک شعر مجھے اس وقت یاد ہے ؎

کیون نہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محو پرسشہائے پنہانی مجھے

یعنی وہ مجھ سے بے التفاتی کیون نہ کرے وہ اس سے مطمئن ہے کہ ہم یون جو کسی کسی سے اس کا حال پوچھ لیا کرتے ہین وہ اسی مین خوش اور محو ہے۔

ہمکو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز — نامہربان نہین ہے اگر مہربان نہین

ہمکو اس کا ستم عزیز ہے اور تختہ مشق جفا بنانے کے لئے وہ ہمکو عزیز رکھتا ہے بہرحال اس نامہربانی سے اس کی مہربانی کا ایک پہلو نکلتا ہے۔

یا یون کہئے کہ وہ ہمکو پیارا ہے کہ ہمپر ظلم کرتا ہے اور ہم اس کو پیارے ہین کہ ہم ستم سہتے ہین اس کا ہم سے کام نکلتا ہے اور ہمارا اس سے۔ تو اگر وہ مہربان نہین ہے تو نامہربان بھی نہین ہے۔ تیسرے یہ کہ ہم اس کے ظلم کو عزیز رکھتے ہین اور وہ ہمپر ظلم کرتا ہے اس سے اس کی مہربانی کا پتہ چلتا ہے کہ اگر وہ ہمپر مہربان نہوتا تو وہ چیز جو ہمکو مرغوب ہے ہمپر کیون صرف کرتا۔ یہ انداز بیان مومن کے یہان زیادہ پایا جاتا ہے چنانچہ اسی زمین مین اُن کی بھی غزل ہے جس کا کہ یہ شعر ہے ؎

باتین تری وہ ہوشربا ہین کہ کیا کہون — جو کوئی راز دان ہے مرا راز دان نہین
بوسہ نہین نہ دیجئے دشنام ہی سہی — آخر زبان تو رکھتے ہو تم گر دہان نہین

ہم آپ سے بوسۂ دہن کا سوال کر رہے ہین اگر آپ بوسہ نہین دیتے تو نہ دیجیے گالیان تو دیجیے کیونکہ خیر اس مین تو آپ کو یہ معقول عذر ہاتھ آ گیا ہے کہ دہن نہین ہے مگر زبان تو ہے اس سے آپ گالیان تو دے سکتے ہین ؎ مولینا ناطق مدظلہ

نہ دے بوسہ تو اچھا گالیان دیکر دعا لے لے
غرض لے دے کے رخصت کر دے جو تجھکو میسر ہو

شعرا ماضی نے زیادہ اور حال کے خوش گویون نے کم دہن و کمر معشوق کے چھوٹی اور پتلی مین اتنا مبالغہ کیا ہے کہ بالکل غائب ہی کر دیا۔ آجکل یہ باتین اجب الترک ہین اسلئے کہ آپ ہی خیال فرمایئے کہ جس کے منہ نہین ہے کمر نہین ہے آخر وہ آدمی کیونکر ہے اور اگر فرضی آدمی بھی مان لیجئے تو غالبًا کسی شریف طبیعت آدمی کا تو یہ جی ہرگز نہ چاہے گا کہ اُسے اپنا معشوق بنائے۔ بقول ناسخ ؎

بھلا پھر کونسا انداز بتون کا ناسخ
نہ کمر رکھتے ہین کافر نہ دہان رکھتے ہین

اسی سے اردو فارسی شاعری بدنام ہو گئی ہے۔ طوالت تو ضرور ہے مگر مین اس جگہ ایک نظم مولانا سید ابو الحسن صاحب ناطق کی نقل کرتا ہون۔ حق یہ ہے کہ بہت خوب لکھی ہے۔

تشبیہات حسن

الفت کی جستجو ہے دل دردمند کو
سوجھی ہے اک نئی مرے جدت پسند کو
بیتاب ہے بتون کی زیارت کیواسطے
ہے حسن کی تلاش محبت کے واسطے
کیون اسکو اضطراب مین تسکین نہ دیجئے
جو بات ہاتھ کی ہو اُسے کیون نہ کیجئے
خودسر ہین بت کبھی نہ نگہ اُنپہ ڈالئے
قابو کی اپنے جو ہو وہ صورت نکالئے
دنیا کی اچھی اچھی جو چیزین ہین لایئے
معشوق اپنا ہاتھ سے اپنے بنایئے
چند افعیون سے کاکل و گیسو بنایئے
کچھ کالے کالے سانپ پکڑکر لگایئے
پیشانی نصف چاند کو لاکر بنایئے
اور یہ نہو تو لوح زمرد منگایئے
محراب کی غرض سے نہ کعبہ کو جایئے
ابرو کی چاہ ہو تو کمانین لگایئے
آنکھین اگر لگایئے مژگان بنایئے
نرگس کے پھول لایئے کانٹے لگایئے
دیوار کا تو کام نہین ناک کے لئے
طوطی سے اسکی چونچ ذرا مانگ لیجئے
کانون کو دو گلاب کے پھولون کا کام ہے
اُس چیز کا دہن ہو کلی جس کا نام ہے

عناب کا لبون کے لئے کیون خیال ہو
ہو یہ تو جبکہ لعل بدخشان کا کال ہو
دانتون کی آرزو ہو تو موتی منگایئے
اک سیب لاکے اُس سے زنخدان بنایئے
دو پیسے پھینک دینے سے مطلب نکل گیا
گردن کا کام ایک صراحی سے چل گیا
ہے دست دیا کی فکر تو بلور دیجئے
پنجون کا کام پنجۂ مرجان سے لیجئے
چاقو سے ایک سیب کے دو ٹکڑے کیجئے
جو عضو بن سکے وہ بنا اُس سے لیجئے
اب سب تو بن چکا ہے شکم ایک رہ گیا
چاندی کی ایک لوح وہان دیجئو لگا
من مانی اسکی ہم نے بنائی ہر ایک چیز
اچھی سے اچھی لاکے لگائی ہر ایک چیز
اب دیکھتے جو ہین تو بہت بدنما بنا
سمجھے ہوئے تھے ہم اسے کیا اور کیا بنا
کیا اسکو کہہ سکین کہ یہ حالت بھی کوئی ہو
یہ شکل بھی تو جب ہو کہ صورت بھی کوئی ہو
جلدی سے توڑ دو جو کوئی دیکھ پائے گا
سچ کہہ رہا ہون مین تمھین احمق بتائے گا

انسان کے حال سے کبھی دھوکا نہ کھایئے
اپنا نظیر آپ ہی اُس کو بنایئے

واقعہ یہی ہے کہ آپ تھوڑی دیر تصور کیجئے اور ایسی بے سروپا صورت اپنی خیالی نظر کے سامنے کھڑی کیجئے۔ اگر آپ کو ڈر نہ معلوم ہو تو میرا ذمہ۔

قطعہ

ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے
ہر چند پشت گرمی تاب و توان نہین
جان مطرب ترانۂ ہل من مزید ہے
لب پردہ سنج زمزمۂ الامان نہین

اگرچہ اُس کا قہر و عتاب جان کو گھلا رہا ہے اگرچہ تاب و طاقت نے مجھے جواب دیدیا مگر میری جان آزار کی جان خوشی سے اب بھی ہل من مزید کا ترانہ گا رہی ہے کہ لے ظالم مجھ پر ظلم و ستم اور زیادہ کر۔ لب پر ابتک الامان کا لفظ نہین آیا ہے یعنی ہنوز وہ اس کا خواہشمند نہین ہے کہ ظلم موقوف ہو جائے۔

نقصان نہین جنون مین بلا سے ہو گھر خراب
سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین

اگرچہ میرا گھر اجڑتا اور خراب ہوتا ہے۔ مگر دراصل میرے جنون سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچتا ہے گھر میں بہت ہوگی تو سوگز زمین ہوگی اب جنون اسے ہم سے چھڑاتا ہے اور ایک جنگل اس کے بدلے میں ہم کو دیتا ہے تو یہ کیا کچھ کم ہے۔ ایک شعر عارف مرحوم کا مجھے اسی زمین میں یاد ہے جو اسی قسم کا ہے اگرچہ مضمون یہ نہیں ہے۔ مگر خیال کی بنا ایک ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں — اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں — گویا جبین پہ سجدۂ بت کا نشان نہیں

میری تقدیر کا حال مجھ سے ایسے پوچھتے ہو جیسے کہ سجدۂ بت کا نشان میرے ماتھے پر نہیں ہے۔ بس اسی سے قیاس کر لو۔ گویا میری تقدیر میں بت پرستی ہے۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی — روح القدس اگرچہ مرا ہمزباں نہیں

اگرچہ روح القدس بھی میری طرح فصیح نہیں ہیں (نعوذ باللہ) لیکن پھر بھی اپنے کلام کی داد مجھے اُن سے مل جاتی ہے۔

جاں ہے بہائے بوسہ ولے کیوں کہے ابھی — غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیمجاں نہیں

اُس کے ایک بوسہ کی قیمت جان ہے مگر وہ ابھی مجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اگر اپنی جان دیدو تو ایک بوسہ لو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابھی غالب نیمجاں نہیں ہے جب میں نیمجان ہوجاؤنگا تب وہ مجھ سے یہ کہیگا کہ جان دو اور بوسہ لو تو میں جان دینے پر تیار ہو جاؤنگا تو اُس وقت یہ کہے گا کہ نیمجان اُسکی قیمت نہیں ہے بلکہ پوری جان اُسکی قیمت ہے۔ اس مفہوم پہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جان سے مراد روح کا جسم میں ہونا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک روح جسم میں ہے آدمی میں جان ہے۔ وہ نصف اور ثلث باقی نہیں رہتی ہوتی ہے تو پوری ہوتی ہے اور نہیں ہوتی تو بالکل نہیں ہوتی۔ مگر شاعر نے معشوق کی ستم ظریفی کا ایک نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے۔ اور شعر مرا یہ کمتب کہ رد پر نظر ڈالئے تو ایک اچھا شعر ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جان بوسہ کی عوض مانگے گا مگر جب میں نیمجان ہوجاؤنگا تو مجھے

اس لذت کا کوئی لطف و احساس باقی نہ رہے گا۔

مولانا نظم نے نیمجان کے معنی مردہ کے لئے ہیں اور یہ شرح لکھتے ہیں کہ ابھی وہ کیوں کہنے لگا کہ جان دیکر بوسہ لیلو۔ ابھی تو مجھ میں جان باقی ہے جب مجھ میں جان نہ رہے گی اُس وقت کہیگا کہ جان دو تو بوسہ لو۔ مگر طبیعت کچھ قبول نہیں کرتی کہ نیمجان کو بیجان کے معنی میں استعمال کیا جائے۔

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں — ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

یعنی زنجیر ڈالنے سے بھی جوش جنون کم نہیں ہوا اور صحرا نوردی نہ گئی بلکہ وہ بھی آگ پر تیل کا کام دیگئی۔ وہ اور بھی میرے پاؤں کا چکر ثابت ہوئی ایسا ہی ایک شعر پہلے لکھ چکے ہیں جسے دوسرے الفاظ میں ادا کیا ہے۔

احباب چارہ سازی وحشت نکر سکے — زندان میں بھی خیال بیابان نورد تھا

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجکو کہ جہاں — جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

مجھے میرا شوق جنون اُس جنگل میں دشت نوردی کے لئے لئے جاتا ہے جہاں جادہ دیدۂ تصویر کی نگاہ ہے یعنی معدوم ہے۔

یا جیسے کہ دیدۂ تصویر حیرت میں ہے اُسیطرح وہان اگر کوئی جادہ ہے تو جادۂ حیرت ہے اور کچھ نہیں۔

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو — خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں

رہیو دعائیہ ہے یعنی خدا کرے یہ یاس و ناامیدی مجھے ہمیشہ گوارا رہے میں اس سے بہت خوش ہوں میرے نالے پر تاثیر کا تو احسان نہیں ہوتا اور اس سے اس کو ندامت تو نہیں ہے ایسے مضامین جس میں احسان کی مختلف صورتوں میں برائی کی گئی ہے مصنف کے بیان میں دو شعر ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ایک میر کا شعر ہے

بلائے جان ہے سائل کو منت تاثیر — جسے کوئی نہ سنے اُس صدا کا کیا کہنا

غالب کے شعر میں یہ (رہیو) بالکل ویسا ہی ہے جیسے۔

مجکو ارزانی رہے تجکو مبارک ہو جیو

یں ہو جیو جس کی مولانا نظم نے مذمت فرمائی ہے اور کر یہ بتایا ہے۔

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے — جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں

راہ وفا میں جادۂ دم شمشیر پر چلنا پڑتا ہے اور وہ بہت جلد فیصلہ کر دیتی ہے کاش کوئی رستہ ہوتا کہ حسرت آزار دل میں نہ رہ جاتی یا یہ کہ جادۂ دم شمشیر کے سوائے اور کسی جادہ کو طے کرنا نہیں پڑتا۔ کاش کوئی اور بھی جادہ ہوتا جسے طے کرتے۔

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے — لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں

جب میرا زخم سر اچھا ہو جاتا ہے تو سر کھجاتا ہے (سر کھجانا محاورہ ہے بیٹھے بٹھائے کسی آفت میں مبتلا ہونے کی خواہش پیدا ہونا) اور ایک عام معنی یہاں دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں یعنی خواہش زخم۔ یا سنگ طفلان پیدا ہوتی ہے۔ کیا کہا جائے زخم کی لذت بیان نہیں ہوسکتی جس کے سامنے خیریت سے بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے — کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

جب کرم کریم گناہ کرنے پر بیباک اور گستاخ کرے تو سوائے گناہ سے شرمندہ ہونے کے کوئی دوسرا گناہ گناہ نہیں۔ کیونکہ کرم خود ہی گناہوں پر گستاخ و بیباک کرتا ہے میرا شعر ہے ؎

خدا غفور ہے فکر جزا سزا نہ کرے — خطا کرے مگر ایسی کبھی خطا نہ کرے

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

غالب بقول ناسخ ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ جو میر کو استاد نہیں مانتا وہ خود کم نصیب ہے اس کو کچھ نہیں آتا میر کے ماننے میں اکثر مشہور اردو کے اساتذۂ فن متحد ہیں۔ آتش، ناسخ، سودا سبھی نے میر کی استادی کو مانا ہے۔ ذوق مرحوم نے بھی انکو مانا ہے جیسے ایک جگہ کہتے ہیں ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

یوں تو خوش عقیدتی کے جوش میں جس کے جو جی میں آیا ہے وہ میر صاحب کی شان میں کر گیا ہے مگر ذوق مرحوم نے اس شعر میں نہایت محققانہ رائے قائم کی ہے۔ میر مرحوم صرف غزل کہنے کے استاد تھے۔ قصیدہ ان کو کہنا نہیں آتا تھا۔ اس میں سودا اور ذوق استاد تھے۔ نظم صاحب نے میر و سودا کے کچھ اغلاط جمع کر کے اپنی شرح میں لکھے ہیں اور جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے وہ غلط بھی نہیں ہیں سب اعتراض صحیح اور صحیح ہیں مگر میر کی شاعری اور ان کی غزلوں کا پایہ اعلیٰ ہونے کا یہ سبب نہیں ہے بلکہ انکے یہاں اغلاط بھی ہیں بندش بھی سست ہے محاوروں میں تصرفات نامقبول بھی ہیں یہ سب کچھ ہے مگر درد کا پہلو ان کے اشعار کا عنصر غالب ہے اس کو وہ کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں جس کا دل پر اثر پڑنا ضروری ہے جن لوگوں کے یہاں صرف قال ہے حال سے کچھ غرض نہیں رکھی گئی ہے اور جذبات کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی۔ وہ لوگ تشبیہات و استعارات بدیع مضامین جدید صنائع و بدائع شعری۔ زبان وغیرہ کی طرف جھک جاتے ہیں۔ مگر بغیر دلی جذبات کے اگر آپ عرش سے تارے بھی توڑ لائیں گے تو ان کو کچھ مقبولیت نہیں ہوسکتی ہے اور اس سے کوئی متاثر نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ لوگوں نے درد کے کچھ مضامین مقرر کر لئے ہیں موت۔ نزع کا عالم۔ گور غریباں کا منظر۔ اندھیری رات۔ ہو کا سناٹا۔ زندان۔ زندان میں مرجانا۔ زندان سے ہڈیاں نکلنا۔ وغیرہ وغیرہ اور یہ زیادہ تر لکھنؤ میں ہیں۔ ان مضامین میں اثر ضرور ہوتا ہے۔ مگر وہ اس کثرت سے نظم ہونے لگے ہیں کہ موت ایک کھیل اور نزع کا عالم ایک تماشہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

ہم کہتے ہیں کہ درد کسی خاص واقعہ میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جو بات دکھے ہوئے دل سے نکلے گی اس کا دردآگین اور موثر ہونا امر لابدی ہے۔ انھیں میر صاحب نے بعض ہزل کے مضامین اس درد سے کہے ہیں جن کا جواب غیر ممکن ہے۔ مثلاً

یوں پکاریں ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے — ادھر آبے ابے او چاک گریباں والے

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

72

چلا نہ اُٹھ کے وہین چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اُسکی گلی سے پکار لایا تھا

گھی سے ہین اے میر یہ خواریان
نہ بہائی ہماری تو طاقت نہین ہے

موت تو کیا ان مین کہین رونے کا بھی ذکر نہین ہے مگر درد جیسا ہے شعرون سے ظاہر ہے درد کا کوئی مضمون مقرر کرنا فضول ہے بلکہ جو کچھ کہئے وہ درد سے کہئے۔

غرض میر کو سب نے درد کی بنا پر تغزل وغیرہ کا استاد مان لیا ہے۔ اور تغزل کا یہ رنگ اُن کے معاصرین مین کسی دوسرے کو نصیب نہین ہوا۔ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے یہان بھی حال ہے قال نہین مگر فرق صرف یہی ہے کہ میر نے ہر مضمون کو درد کے لہجہ مین ادا کیا ہے اور میر درد کے یہان یہ بات کوسون نہین ہے۔ اسپر بھی میر تقی میر کا کلیات ایک طومار ہے درد اور خواجہ صاحب کے یہان چند غزلین۔

ہمت مردمک دیدہ مین سمجھو یہ نگاہین
ہین جمع سویدائے دل چشم مین آہین

میری آنکھ کی پتلی مین نگاہین نہین ہین بلکہ آنکھ کے دل مین جو پتلی ہے آہین جمع ہو گئی ہین۔ سویدا اُس نقطہ سیاہ کو کہتے ہین جو دل مین پڑ جاتا ہے۔

برشکال دیدۂ عاشق ہے دیکھا چاہئے
کھل گئی مانند گل سو جا سے دیوار چمن

یہ گریۂ عاشق کی برسات ہے دیکھا چاہئے دیوار چمن اب قائم رہتی ہے یا نہین سو جگہ سے گل صد برگ کی طرح شق ہو گئی ہے۔

اُلفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی
سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن

اُلفت گل سے کوئی وارستہ نہین ہے یہ دعوی وارستگی بالکل غلط ہے سرو کو دیکھو کہ آزاد ہے لیکن یہ بھی محبت چمن مین گرفتار ہے۔ سرو کو چمن مین رہنے کی وجہ سے گرفتار چمن کہا ہے۔ آزاد اس لئے کہتے ہین کہ وہ موسم خزان وبہار مین یکسان رہتا ہے اور دونون سے آزاد ہے یہ مضمون بالکل عام ہے اور متقدمین کے یہان بہت پائے جاتے ہین۔

عشق تاثیر سے نومید نہین
جان سپاری شجر بید نہین

عشق مین جذب اور کشش ضرور ہے اور وہ تاثیر سے نا امید نہین ہے جان دینا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور رکھتا ہے یہ بید کا درخت نہین ہے جسمین کوئی پھل نہین آتا۔

سلطنت دست بدست آئی ہے
جام مے خاتم جمشید نہین

جام مے گویا ایک سلطنت ہے جو جمشید کے وقت سے اب تک منتقل ہوتی رہی ہے یعنی اُس سے منتقل ہو کر دست بدست ہمارے پاس آئی۔ نہ کیون آتی یہ جام مے تھا کچھ نگین جمشید نہ تھا جسپر اُسی کا نام کھدا ہوتا اور اُسی کے لئے مخصوص تھا۔

دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ایک رند قدح کش حلقہ رندان مین بیٹھ کر اپنے حریف سے کہتا ہے کہ ہان ذرا جلد جام مجھے بھی عنایت فرمائیے۔ جمشید کے وقت سے کوئی یہ سلطنت دست بدست چلی آئی ہے کچھ کسی کی میراث اور ملکیت نہین ہے بقول شخصیکہ

حقہ یکدم دو دم سہ دم باشد
نہ کہ میراث جد و عم باشد

ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہین

تیری تجلی سامان وجود ہے یعنی تو جوہر ہے اور ہستی عرض ہے بغیر خالق کے مخلوق کا ظہور مین آنا ایسا ہی نا ممکن ہے جیسے ذرہ کی جلوہ گری بغیر خورشید کے۔

راز معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے مین کچھ بھید نہین

لوگ سمجھتے ہون گے کہ مر جانا دشوار ہے اور اس مین کچھ بھید ہے مگر نہ کچھ مشکل ہے نہ کوئی بھید ہے ہے تو صرف اتنا بھید ہے کہ معشوق بدنام ہو جائیگا اور راز عشق افشا ہو جائے گا۔

گردش رنگ طرب سے ڈر ہے
غم محرومی جاوید نہین

مجھے محرومی جاوید کا غم نہین ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ زمانہ طرب کو زوال ہونا سخت جانکاہ ہے اتنا محرومی جاوید کا اندیشہ نہین ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی غم تو نہ رہے گا۔

یا یہ کہ اے وہ شخص کہ تجکو زوال زمانہ عیش کا دھڑکا لگا ہوا ہے اور یہ کھٹکا تجھے کھائے جاتا ہے تو اس سے نہیں ڈرتا اور اُن لوگوں کا تجھے خیال نہیں آتا جو محروم جاوید ہیں جنھیں کبھی خوشی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ یا یہ غم نہیں کہ ایک وہ زمانہ بھی آنے والا ہے جب تو ہمیشہ کے لئے عیش و عشرت سے محروم کر دیا جائے گا اور اس خیال زوال عیش تک سے بھی محروم ہو جائے گا۔ مراد ہے زمانۂ اجل سے۔

کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پہ لوگ — ہمکو جینے کی بھی اُمید نہیں

مثل مشہور ہے کہ دنیا امید پر قائم ہے اور آدمی اسی پر جیتا ہے مگر ہم اس سے مستثنیٰ ہیں ہم کو جینے کی بھی امید نہیں ہے یا یہ کہ ہماری امید ایسی ہے کہ وہ ہم کو مار ڈالے گی۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں — خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں

تیرے نقش قدم میں وہ بہار ہے کہ ہم جہاں اسے دیکھتے ہیں تو گویا باغ ارم کی کیاریاں نظر پڑتی ہیں۔

دل آشفتگان خال کنج دہن کے — سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں

جو تیرے دہن بے نشان کے خال پر مرتے ہیں تو گویا اُن کو سویدائے دل میں سیر عدم کا لطف آتا ہے۔ خال کو سویدائے دل مانا ہے اور دہن کو عدم فرض کیا ہے۔ شعر مرقومۂ بالا انتہائی تصنع کا نمونہ ہے اور یقیناً ایسی شاعری نہ دلپر کوئی اثر ڈال سکتی ہے نہ اس کا کوئی نتیجہ ہے۔ سیر لفظ فارسی ہے اسی لیے اس کی اضافت صحیح ہے

ترے سرو قامت سے اک قد آدم — قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

تیرے سرو قامت سے فتنۂ قیامت کم ہے۔ یوں تو قیامت سے قامت کو شعرائے ہزاروں جگہ تشبیہ دی ہے مگر مصنف نے کمی کی مقدار قد آدم کے لفظ سے شعر میں جو لطف اور وزن پیدا کر دیا ہے وہ محتاج بیان و تشریح نہیں ہے۔

میر ممنون سہ

تفاوت قامت یار اور قیامت میں ہے کیا ممنون — وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

تماشہ کر اے محو آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

اے محو آئینہ داری دیکھ کہ تجکو ہم کس تمنا سے دیکھ رہے ہیں۔ اس شعر کے صاف معنی تو یہی ہیں جو لکھے گئے مگر ایک نہایت لطیف پہلو بھی اس سے نکلتا ہے جو یہ ہے کہ اے محو آئینہ داری آئینہ کو چھوڑ ہم کو دیکھ کہ تیری اس حالت آئینہ داری کے دیکھنے سے ہم آئینہ سے بھی کچھ زیادہ بن گئے ہیں۔ چونکہ تجکو آئینہ داری کا شوق ہے لہذا تو ہم کو دیکھ بشرطیکہ تو ہم کو محض حیران پاکر آئینہ سمجھ کر دیکھ رہا ہے مگر اس حیرانی کے دیکھنے اور آئینہ داری کے بعد ذرا یہ بھی خیال کر کہ ہم تجکو کس حسرت اور تمنا کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ کیفیت ہو گئی ہے۔

سراغ تف نالے داغ دل سے — کہ شبرو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

اگر تجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میرے نالے کس قدر گرم ہیں تو میرے داغ کو دیکھ اور اس کی تپش اور حرارت سے نالہ ہائے گرم کا اندازہ معلوم کر کیونکہ چور کا نقش قدم اس کا پتہ دیتا ہے چونکہ میرا نالہ بھی شبگیر ہے اس واسطے اس کے نقش قدم یعنی داغ دل سے اسکا سراغ لگانا۔ شبگیر کی شب رو سے ایک بدیع تشبیہ ہے جس میں لفظی اور معنوی دونوں خوبیاں موجود ہیں۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

ہم فقیروں کا بھیس بھر کر اہل کرم کے اندر کرم کا تماشہ دیکھتے پھرتے ہیں اسی شعر سے ملتا جلتا یہ مضمون بھی ہے جسے کچھ الفاظ گھٹا بڑھا کر نیا کر دیا ہے سہ

چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سایل بنے تو طالب اہل کرم ہوئے

ملتی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں — کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

چونکہ میرے معشوق کی عادت بھی بھڑک جانے اور برافروختہ ہونے کی ہے اور آگ میں بھی یہی صفات ہیں اس واسطے آگ کے عذاب میں مجھے راحت ملتی ہے آتش

آسمان شوق سے تلوار کا مینہ برسائے ۔ ماہ نو نے کیا ابرو کا ترے خم پیدا

کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں ۔ شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

اگر میں اپنی زندگی کا حساب کروں اور عمر کو دیکھوں اور ساتھ ہی جدائی کی راتوں کو بھی جوڑتا جاؤں تو میں اپنی عمر کا حساب نہیں کر سکتا کیونکہ جدائی کی ایک ایک رات ہزار ہزار برس کے برابر گذری خسرو علیہ رحمۃ اس مضمون کو یوں ادا فرماتے ہیں ؎

زہے عمر دراز عاشقاں گر ۔ شب ہجران حساب عمر گیرند

ایک شاعر اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے ؎

کیا کیا دراز ہی شب غم جان نواز ہے ۔ عاشق کی عمر خضر سے بھی کچھ دراز ہے

تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۔ آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب میں

تاکہ پھر انتظار میں مجھے عمر بھر نیند ہی نہ آئے اور خواب میں بھی دیدار سے سیراب ہونے کا موقع نہ حاصل ہو۔ انھوں نے یہ شوخی کی ہے کہ خواب میں مجھ سے تشریف آوری کا وعدہ کر گئے ہیں۔ خوب شعر کہا ہے۔

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں ۔ میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

جب تک کہ قاصد واپس آئے اس وقت تک میں ایک خط اور لکھ رکھوں کیونکہ وہ جو کچھ لکھینگے وہ مجھے معلوم ہے۔ دوسرا مصرع نہایت بلیغ واقع ہوا ہے۔ اور محض (جو وہ لکھیں گے جواب میں) نے بہت سے معانی بھر دیئے ہیں جس سے اتنے پہلو نکلتے ہیں کہ وہی انکار وصل جو اُن کی عادت ہے اس مرتبہ بھی لکھیں گے یا وہ مجھے صاف جواب دینگے کہ آیندہ سے ہمکو خط نہ لکھنا یا وہ مجھے سرے سے جواب ہی نہ لکھیں گے پہلے مصرع سے دوسرے مصرع کو بہت ربط ہے۔

اسی مضمون کو میر حسن فرماتے ہیں مگر انھوں نے ایسے الفاظ رکھے ہیں جنسے

معانی محدود ہوگئے ہیں ؎

گرچہ دلکو ہے یقین خط تو نہیں لکھنے کے وہ ۔ پر تقاضہ شوق کا لکھنے سے کب رہتا ہے باز

مرزا بیدل عظیم آبادی ؎

آنجا جواب نامۂ عاشق تغافل است ۔ بیہودہ انتظار خبر می کشیم ما

شعر میں ایسے الفاظ لانا جنسے بہت سے معانی نکلیں کچھ آسان کام نہیں ہے ہمارے نزدیک سب سے زیادہ دشوار یہی کام ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اگر غیر مانوس الفاظ لکھے جائیں گے تو وہ بجائے اس کے کہ شعر کو بلند کریں اور بھی پست کر دیں گے اس سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہئے۔ جہاں تک الفاظ عام فہم ملجائیں وہ صرف کرے ورنہ ضرورت نہیں ہے۔ دیکھئے خاقانی ایک جگہ کہتا ہے ؎

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت ۔ خاقانی را دگر شب آمد

اس میں اتنے پہلو نکلتے ہیں کہ جب میرے ہمسایہ نے آہ و نالہ سنا تو کہا کہ خاقانی کو پھر رات آگئی اب پھر رات بھر شور کرے گا اور ہماری نیند اڑائے گا یا تعجب سے کہتا ہے کہ اُس کل اس کی ایسی بُری حالت ہوئی تھی کیا یہ بچ گیا کہ آج اس کی آواز پھر آئی یا کہتا ہے کہ شکر ہے غریب نے دوسری رات پکڑی ممکن ہے کہ اچھا ہو جائے یا یہ کہ آج رات کو دیکھئے اس کی کیا حالت ہوگی یا یہ کہ کل ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ یہ مر نہیں سکتا جیسا آج روتا ہے کل بھی روئے گا چنانچہ دیکھو پھر رات آگئی یا از راہ افسوس کہتا ہے کہ اسے تڑپتے ہوئے دوسری رات ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اسی کا میر حسن دہلوی نے ترجمہ کیا ہے مگر ان کو وہ الفاظ نہیں مل سکے ہیں جنسے خاقانی کا ایک شعر ایک دیوان سے بھی کچھ زیادہ ہے اور یہ کچھ نہیں ؎

پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ ۔ بس آج کی شب بھی سو چکے ہم

اس میں صرف دو پہلو ہیں کہ اس کا افسانہ ہم کو سونے نہ دیگا یا یہ کہ اپنی داستان کہتے کہتے مر جائے گا تو ہمارے راحت و آرام پر پانی پھر جائے گا۔

میں نے بھی خاقانی کے شعر کا ترجمہ کیا تھا جس میں میری یہ کوشش ضرور تھی کہ خاقانی ہی کی طرح الفاظ ہوں کامیابی ناکامیابی کی تو خبر نہیں شعر یہ ہے ؎

نالۂ غم پہ دل زار وہی بات آئی ۔ لوگ چلائے کہ اجی سنئے پھر رات آئی

تک کب اُنکی بزم میں آتا تھا دورِ جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

آج یہ خلافِ معمول ساقی نے مجھے شراب کیون دیتا ہے۔ چونکہ یہ بھی انکی بزم میں
نے کی وجہ سے میرا رقیب ہے تو بہت ممکن ہے کہ اسنے شراب میں کچھ زہر وغیرہ ملا
یا ہو۔ مرزا داغ مرحوم فرماتے ہیں سے

غیر دیتا ہے کیون مجھے ساغر — سانپ ہو زیر آستین نہ کہین

منکرِ وفا ہو فریب اُسپہ کیا چلے — کیون بدگمان ہین دوست سے دشمن کے باب مین

میرا معشوق منکرِ وفا ہے اسپر غیر کا یا کسی کا فریب کیا چلیگا۔ دوست سے میری
بدگمانی کہ وہ دشمن کا دوست ہے بالکل فضول ہے کیونکہ وہ جانتا ہی نہیں کر وفا
کسے کہتے ہین۔

رشک کہتا ہے کہ اُسکا غیر سے اخلاص حیف — عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

ین مضطرب ہون وصل مین خوفِ رقیب سے — ڈالا ہے تمکو وہم نے کس پیچ و تاب مین

مین تو شبِ وصل مین اس سے گھبرا رہا ہون کہ کہین کمبخت رقیب نہ آجائے
اس کو میری شبِ وصل کی خبر نہو جائے تمکو وہم نے کس پیچ و تاب مین ڈال رکھا ہے
مجھ سے زیادہ مضطرب الحال ہو اس مین از راہ شوخ طبعی معشوق سے یہ کہلانے کا
رادہ کیا گیا ہے کہ مجھے بھی رقیب ہی کا خوف ہے یا یہ کہ میرا تو وہ رقیب ہے مجھے اُس کا
وف ہے مجھے اس سے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے مگر تمکو اس کمبخت کی کیا فکر ہے۔
کیون وہم کر رہے ہو۔ اگر وہ آبھی جائے گا یا اُس کو خبر بھی ہو جائے گی تو تمھارا کیا بنا لیگا
وگا تمھارے نزدیک جیسا ہین ویسا وہ۔ تم فضول نقصان پہونچنے کے وہم مین پڑے
کھ رنگ لائے تو جواب دیدیجئے اور راستہ بتایئے۔
دوسری شرحون مین مصرعِ ثانی کے یہ معنی لیے گئے کہ شائد تمھارا وہم اسلئے
ہے کہ مین اپنے کسی معشوق سے چھپ کر یہان آیا ہون اسوجہ سے پریشان ہون۔ یہ صرف
وہم ہی وہم ہے باقی کچھ نہین۔

مگر پہلے معانی اس سے اچھے ہین کہ اگر معشوق کہے کہ جیسے مجھے رقیب کا خوف ہے
ویسے ہی مجھے بھی ہے تو اس سے کہا جائے کہ آپ تو کہتے تھے مجھے کسیکا خوف و خیال ہی
نہین مین کسی سے ملتا ہی نہین۔ پھر کس بات کا وہم ہے معلوم ہوا کہ آپ کی وہ سب باتین
غلط تھین۔

معانی نمبر ۲ مین خوف اور وہم کے لفظ پر خیال کیجئے جو خصوصیت سے قابلِ داد
ہین کہ مصنف نے خوف کا لفظ اپنے لیے اس لیے رکھا کہ رقیب مجکو نقصان پہونچا سکتا ہے
اور معشوق کے لئے وہم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اُسکا نقصان کا اندیشہ ایک وہم سے
زیادہ وقعت نہین رکھتا۔

مین اور حظِ وصل خدا ساز بات ہے • جان نذر دینی بھول گیا اضطراب مین

مین اور مجھے حظِ وصل حاصل ہو یہ ایک خدا کی قدرت ہے چاہئے تھا کہ اسکے
شکریہ مین مین اپنی جان دیدون مگر اضطراب مین جان دینی بھول گیا۔ دینی مصدر مونث
ہے۔ واضح ہو کہ اہلِ لکھنؤ مصدر کیساتھ خواہ اسم مذکر ہو یا مونث مصدر کو مذکر ہی بولتے ہین
اور دہلی مین اگر اسم مونث ہے تو مصدر کو بھی مونث لاتے ہین اور مذکر ہے تو مذکر اہلِ لکھنؤ
مصدر کو قابلِ جمع بھی نہین خیال کرتے جیسے ہمکو کئی کام کرنے ہین مگر یہان کہینگے ہمکو کئی کام کرنا ہین

ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے — ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب مین

نقاب مین جو ایک شکن پڑی ہوئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ معشوق
کے ماتھے پر شکن پڑی ہے اور وہ برہم ہے۔ دلی مین تیوری بر وزن فعلن اور لکھنؤ
مین بر وزن فاعلن بولا جاتا ہے۔

لاکھون لگاؤ ایک چرانا نگاہ کا — لاکھون بناؤ ایک بگڑنا عتاب مین

تیرا ایک نگاہ کا چرانا لاکھون لگاوٹون کے مقابلہ پر ہے اور تیرا ایک غصہ مین
بگڑ جانا لاکھون بناؤ کے برابر ہے جسقدر معنی لطیف ہین بندش اس سے کہین زیادہ
چست ہے تقابل اور مماثلت ترکیب نے شعر مین بے انتہا لطف پیدا کر دیا ہے۔

وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے — جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں

یہ شعر تعجب اور افسوس کے مقام پر کہا گیا ہے کہ میرا ایسا نالہ جس سے آفتاب میں شگاف پڑے وہ اس کے دل میں کچھ بھی جگہ نہ پائے۔ دوسرا شعر بھی ایسا ہی ہے

وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے — جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

تعجب ہے کہ وہ سحر جس سے سفینہ سراب میں رواں ہو۔ مدعا طلبی میں کوئی کام اس سے نہ نکلے سفینہ سراب میں رواں ہونا وقوع امر خلاف عادت سے مراد ہے۔

غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی — پیتا ہوں روز ابر و شب ماہتاب میں

غالب شراب مجھ سے چھٹی مگر اب بھی کبھی کبھی چاندنی رات یا برسات میں پی ہی لیتا ہوں لفظ چھٹی سے پتہ چلتا ہے کہ خود نہیں چھوڑی مفلسی یا زمانے کی گردش یا بڑھاپے وغیرہ نے چھڑا دی ہے۔

غالباً یہ کوئی بڑا مشاعرہ ہوا تھا کہ جس میں غالب مرحوم کا دو غزلہ اور مومن خان نواب مصطفےٰ خان شیفتہ۔ مولینا آزردہ۔ شیخ ابراہیم ذوق۔ عارف وغیرہ سبھی کی غزلیں ہیں چنانچہ اس دوسری غزل کے مطلع کے ساتھ تفریح طبع ناظرین کے لئے دو تین چار حضرات کے مطلع ہم لکھیں گے۔ اور قافیوں کے ساتھ بھی اچھے اچھے شعر دیے جائیں گے تاکہ اندازہ ہو کہ یہ سب لوگ معانی آفرینی کو شاعری سمجھے ہوئے تھے نہ یہ کہ جو آجکل مشاعروں کا حال ہے کہ مشاعرے بھر میں ہر قافیہ میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ سب کے یہاں وہی مضمون ہوتا ہے چنانچہ ایک مشاعرہ ہوا تھا کہ جس میں پیمانہ ہمیں ردیف و قافیہ تھا سب کے یہاں پیمانہ کے ساتھ وہی آنکھوں اور شراب کا مضمون تھا۔ بخلاف اس کے اہل فارس کو دیکھیے کہ ایک ہی مضمون کو ایسے مختلف طریقوں سے لکھتے ہیں کہ دیکھنے والے کو اندازہ مشکل ہے کہ یہ وہی مضمون ہے یا کوئی دوسرا۔ مثلاً چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔ صبر و رضا و قناعت و توکل کے مضامین ہیں۔

صائب: شکوۂ رزق مکن پیچ تنک حوصلگان — در گلو گریہ گرہ چون شود و دانہ شمر — قناعت

صائب: اگر وطن بہ مقام رضا توانی کرد — غبار خاطر اطفال توانی کرد — رضا

": شکایت ستم چرخ ناجوانمردی است — کہ گوشمال پدر خیر خواہی پسر است — صبر

": حکایتے کہ زگردون کنند بے ہنران — شکایتے است کہ تیر از کمان دارد — صبر

": سراز دریچہ گوہر برآوری فردا — اگر چو رشتہ بسازی بہ پیچ و تاب اینجا — قناعت و صبر

حافظ: بر آستانہ تسلیم سر بنہ حافظ — کہ گر ستیزہ کنی روزگار بستیزد — رضا

فغفور کاشی: چون تہیدستی ز حد بگذشت سامان میدہد — گوہر غلطان صدف را دست گردان میدہد — صبر و رضا

ملا بیگ: در فطرت کامل نکند حادثہ نقصان — یاقوت چو سائیدہ شود قوت روح است — "

سلیم: صفائے دل طلبی چشم از جہان بربند — کہ رخنہ ایست کہ اینجا غبار مے آید — "

میر معصوم: با سفلگان طریقہ تسلیم حکمت است — پیش آیدت اگر در پستی خمیدہ رو — رضا و تسلیم

غنی: فتد چون رخنہ در کار تو بکشاید در روزی — ز سنگ آسیا در گوش این آواز می آید — قناعت

لا اسلم: ز چرخ شکوہ کند ہر کجا تنک ظرفیست — حباب می شکند کاسہ بر سر دریا — صبر و تسلیم

صائب: شاخے کہ چار فصل پر از میوہ و گل است — دست ز کار رفتۂ اہل توکل است — قناعت و توکل

کاشی: جز صبر نیست صیقل دلہائے بیقرار — چون ایستاد آب بآئینہ میرسد — صبر و قناعت

غنی: تا رزق خود رسد بدہانت چو آسیا — دائم خموش دار زبان سوال را — قناعت

شوکت: فریب نعمت الوان مخور فراخت کن — چو ماہ نو بہ دو انگشت نان قناعت کن — "

سرخوش: چون لعل ہر کہ خون جگر خورد و صبر کرد — زیب کلاہ گوشۂ اقبال می شود — صبر

ناصر علی: نعمت خوان قناعت دیدہ الذتپرس — سیر چشمی نقل بادام است مہمان مرا — قناعت

ملا دہری: چو بستہ شکر قناعت لب سوال مرا — زبان بود بہ دہن لقمۂ حلال مرا — "

علی رضا: از اضطراب کار مہیا نمی شود — سیل از دویدن است کہ دریا نمی شود — صبر و قناعت

غور کیجئے کہ ان سب میں صبر و قناعت و توکل کے نتائج کس خوبی کے ساتھ ادا کئے گئے ہیں کہ اس سے بہتر سمجھ میں نہیں آتے۔ اور یہی سب سامنے کی باتیں ہیں عزلت گزینی کے مضامین ملاحظہ کیجئے۔

صائب: عزلت گزین کہ آب باین سہل قیمتی — در دامن صدف چو نشستہ یا گہر شود

": مردمجانہ ارباب بے مروت دہر — کہ کنج عافیتے در سرائے خویشتن است

": کلید گلشن فردوس آن کسان دارند — کہ در بروئے خود از کائنات می بندند

کلیم رخصت سیر جہاں بہ پیچ ستم از عقل گفت | اہل عزلت را سفر از یاد مردم رفتن است
ورکیش ما تجرد عنقا تمام نیست | در قید نام ماند اگر از نشان گزشت

غنی عیش تنہائی ہمیشہ مرد دارد دجوان | موئے چون از سر جدا گردد ملی باشد سفید

اسی صورت سے تجرد اور دوستون سے جدائی کی مذمت کے لئے دیکھئے۔

پریدہ دانہ ز خرمن بہ آسیا افتاد | ز ہمرہان موافق جدا نباید شد
مقصود صحبت است ز گل ورنہ بوئی گل | اتصال گر بود ز صبا مے توان شنید
مہتاب شد ز ہم صحبتان کہ تنہائی | لطیفہ ایست کہ از بہر خود گزید خدا
نیست اکسیری بر از صحبت کامل عیار | گفتہ ام حرفے کہ می باید بآب زر نوشت

مین ابھی اور کچھ بھی لکھتا مگر چونکہ اپنے مقصد سے دور پہونچتا جاتا ہون لہٰذا یہین اس کو ختم کرتا ہون۔ مگر ہان یہ لکھنا ضروری ہے کہ ہمارے اردو کے شعرا اکثر فارسی زبان کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہین عیوب وغیرہ کی امثال اُسی ذخیرہ سے دیجاتی ہین مگر بجدت مضامین مین اتباع کرنا ایسے معدوم و متروک ہوگیا ہے کہ جیسے یہ کوئی گناہ ہے حالانکہ مخرب اخلاق مضامین لکھنے کے گناہ متروک نہین ہین۔

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب مین | یہ سوئے ظن ہے ساقی کوثر کے باب مین

کل سے مراد روز قیامت ہے۔ کہتا ہے کہ روز قیامت کے خوف سے شراب دینے مین خست نہ کر کیونکہ اس سے ساقی کوثر کی شان مین سوئے ظن پیدا ہوتا ہے کہ اگر شراب بری ہوتی تو ساقی کوثر کو یہ کام کیون سپرد ہوتا۔ ساقی کوثر سے مراد رسول مقبول صلے اللہ علیہ و علی آلہ وسلم اور خلفائے اربعہ جو آپ کی طرف سے حوض کوثر سے لوگون کو سیراب کرین گے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ہے وہ آج ہی پلا دے کل کے لیے کیون بچاتا ہے۔ کل ساقی کوثر پلائین گے گویا اس بچانے سے تو اُن کے حق مین بدگمانی کرتا ہے کہ وہ نہ پلا سکینگے۔ یہ معنی پہلے معانی سے زیادہ مناسب اور اچھے ہین اور لفظ خست اس مفہوم پر خصوصیت سے دال ہے۔ ذوق مرحوم فرماتے ہین۔

خط پڑھ کے اور بھی ہوا وہ پیچ و تاب مین | کیا جانے لکھدیا اُسے کیا اضطراب مین

مومن تاثیر صبر مین نہ اثر اضطراب مین | بیچارگی سے جان پڑی کس عذاب مین
شیفتہ آرام سے ہے کون جہان خراب مین | گل سینہ چاک اور صبا اضطراب مین

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند | گستاخی فرشتہ ہماری جناب مین

آج ہم اس قدر ذلیل کیون ہین۔ کل جب فرشتون سے جناب باری نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم زمین مین ایک خلیفہ بنانے والے ہین اور فرشتون نے عرض کیا تھا کہ کیا تو کوئی ایسا خلیفہ بنانے والا ہے کہ جو زمین مین خون بہائے اور فساد کرے۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہین اور جناب الٰہی سے ازراہ عتاب حکم ہوا تھا کہ چپ رہو تم اُس اسرار کو نہین جانتے ہو جو مین جانتا ہون بالکل اسی مضمون کا شعر فارسی مین بھی کہا گیا ہے۔

اے آنکہ از غرور بہ چشم منی خری | غالب زان شیوہ باز گوئے کہ پیش از ظہور بود

جان کیون نکلنے لگتی ہے تن سے دم سماع | گر وہ صدا سمائی ہے چنگ و رباب مین

اگر وہ صدائے جان بخش چنگ و رباب مین سمائی ہوئی ہے تو کیا سبب ہے کہ اُسکو سنکر جان نکلنے لگتی ہے حالانکہ اُسکا خواص جان بخشی ہے۔ اس صورت مین استفہام استخباری ہے اور مجکو یہی معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہین۔ مگر نظم صاحب یون فرماتے ہین کہ یہان استفہام فقط سامع کے متنبہ کرنے کے لئے ہے شاعر جواب نہین چاہتا ہے۔ مولانا نظم کا ایک شعر اسی مضمون سے ملتا جلتا مجھے یاد ہے بہت خوب فرمایا ہے۔

صدائے چنگ سے مجکو یہی آواز آتی ہے | کوئی کہتا ہے اب پردے سے ہم باہر نکلتے ہین

ظاہرا ماخذ اسکا یہی غالب کا شعر ہے۔

رو مین ہے رخش عمر کہان دیکھئے تھمے | نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین

میرا توسن عمر بے محابا دوڑتا ہوا چلا جاتا ہے جس سے مین سہم رہا ہون نہ اس خوف و اضطراب مین حلقہ رکاب مین میرے پاؤن جمتے ہین نہ باگ پر میرا ہاتھ ہے۔ غرضکہ مین بے اختیار ہون دیکھئے یہ کہان جاکر رکتا ہے اور کس وقت میرا خوف کم

ہوتا ہے یا کس جگہ مجکو اپنی پشت سے گراتا ہے یعنی دیکھئے کب موت آتی ہے
اور میں مصائب زندگی سے فراغت پاتا ہون۔ مومن خان صاحب اس قافیہ کو یون کہتے
ہین ؎

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم — فتراک مین جو سر ہے تو پا ہے رکاب مین

اتنا ہی مجکو اپنی حقیقت سے بُعد ہے — جتنا کہ وہم غیر سے ہون پیچ و تاب مین

جس قدر کہ مجکو غیر کا وہم ہے اور غیر کو غیر سمجھا ہون اُسی قدر اپنی حقیقت سے
دور ہون اپنی ذات سے بھی دور ہون یعنی ماسوائے اللہ ہر ایک سے علیحدہ ہون
وہ اپنی ذات ہونا کوئی اور ہوا اور اس کے دوسرے لطیف معنی یہ ہین کہ جو مولانا حالی
نے لکھے ہین کہ جس قدر وہم غیر سے مجکو پیچ و تاب رہتا ہے اُسی قدر اپنی حقیقت سے
مجکو بعد ہے یعنی جس مقام کی خواہش ہے یا جس جگہ مین ہون وہان کسی خیال کی بھی گنجایش
نہین ہے نواب مصطفےٰ خان شیفتہ کے یہان بھی دو شعر تصوف سے لبریز موجود ہین ؎

وہ قطرہ ہون کہ موجہ دریا مین گم ہوا — وہ سایا ہون جو محو ہوا آفتاب مین
سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نقش بھی — رہزن کی یہ مراد کہ رہرو ہو خواب مین
سب آئینہ مین محو اور وہ سب سے علیحدہ — آئینہ مین ہو آیہ شہ آئینہ آب مین
طوبیٰ الہم جو کشتۂ عشق عفیف ہین — کیا شبہ اُس گروہ کے حسن مآب مین

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے — حیران ہون پھر مشاہدہ ہے کس حساب مین

شہود و شاہد و مشہود ان سب کی اصل ایک ہے مجھے تعجب ہے کہ جب یہ سب
ایک ہین تو شاہدہ جو مقتضائے مغایرت ہے کس حساب مین ہے مشاہدہ سے وہ مشاہدہ
مراد ہے جو روز قیامت کو ہوگا یعنی تمام عالم بوجود واحد موجود ہے اور اس مین
اسباب متقاضی مغایرت کی گنجایش نہین ہے

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر — یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین

مطلب یہ ہے کہ قطرہ اور موج اور حباب کی ہستی کچھ ہستی نہین ہے بلکہ یہ

سب صورتین دریا کی بدولت نظر آرہی ہین اور ان صورتون کے ظاہر ہونے سے بحر کا
پتہ چلتا ہے یعنی ہستی موجودات وجود واجب کے ضمن مین ہے باقی کچھ نہین ہے

شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے سہی — ہین کتنے بے حجاب کہ یون ہین حجاب مین

شرم ایک ادائے معشوقانہ ہے کوئی نہو تو خود ہی سے شرمانا چاہئے وہ اگرچہ
شرمائے ہوئے ہین اور حجاب مین ہین مگر حجاب سے بے حجاب ہونا بھی ایک امر خلاف شرم
و ادائے معشوقانہ ہے رسا مرحوم کا ایک مصرع مجھے یاد آیا ۔
کتنا گستاخ ہے پردے مین حجاب آتا ہے

آرایش جمال سے فارغ نہین ہنوز — پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

باوجودیکہ ایک جہان اُس کا عاشق ہوچکا ہے مگر اُس کو آرایش جمال سے
فراغت حاصل نہین ہوئی اور اسی لیے اب تک بھی پردہ مین وہ اپنی آرایش جمال مین
مصروف رہتا ہے مولانا نظم نے اس شعر کو تصوف کے مضامین سے لبریز بتایا ہے
اور یہ مفہوم ظاہر کیا ہے کہ نقاب استعارہ ہے حجاب قدس سے اور آئینہ اُس مین علم
مایکون و ماکان ہے اور آرایش جمال سے فارغ نہونا تفسیر کل یوم ہو فی شان ہے یہان
ایک نکتہ یہ ہے کہ تاویل کو گنجایش ہے اس کو بھی رنگ تصوف مین لے جاسکتے ہین اور
جو معانی بتائے گئے وہ غلط نہین ٹھہرائے جاسکتے مگر استعارات جو اس مین بیان کئے
ہین وہ سب بعید الفہم ہین اور استعارہ کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مشبہ کی
طرف جلد سے جلد ذہن منتقل ہو جائے اور یہان یہ کچھ بھی نہین واضح ہو کہ اگر استعارات
غیر مانوس ہین اور مشبہ یا مستعار منہ کا ذکر نہین کیا گیا تو فصاحت و بلاغت تو در کنار
وہ شعر کو مہمل اور شاعر کو مہمل گو کا خطاب دلا دیتے ہین ۔

ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود — ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین

جس کو ہم شہود یعنی ظاہر بالیقین سمجھے ہین یہ سب غیب غیب ہین اور ہمین غیب
غیب کو شہود سمجھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حالت خواب مین سمجھے کہ ہم جاگتے ہین

مگر دراصل وہ بیداری نہین ہے مولینا حالی نے یادگار غالب مین اس کی یون تشریح کی ہے کہ سالک کو تمام موجودات عالم مین حق ہی حق نظر آئے وہ شہود ہے اور غیب الغیب سے مراد مرتبۂ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصر و بصیرت سے ورا ء الورا ہے کہتا ہے کہ جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہین وہ دراصل غیب الغیب ہے اور اس کو غلطی سے شہود سمجھنے مین ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب مین دیکھے کہ مین جاگتا ہون لیکن گو وہ اپنے تئین بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ خواب ہی مین ہے۔

مولانا نظم لکھتے ہین یعنی خواب مین خواب دیکھ رہے ہین تو یہ غیب غیب ہے۔

مولانا حالی مرحوم نے بہت خوب معانی بیان کئے ہین۔ مولانا نظم کی شرح خود تشریح طلب ہے۔

عرفی مرحوم ایک جگہ کہتے ہین ؎

ہر کس نہ شناسندۂ راز است دگر نہ　　اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست　　مشغول حق ہون بندگی بو تراب مین

دوست کے ہم نشین سے مجھے دوست کی خوشبو آتی ہے اس صورت سے گویا مین حضرت علی کی عبادت و مطاوعت کرنے مین خدا کی عبادت کرتا ہون۔ اس شعر مین دلیل کو دعوے پر مقدم کیا گیا ہے اور یہ اکثر ہوتا ہے مگر مروج یون ہے کہ اول دعوی بعدہ دلیل دینی چاہئے۔

ناسخ　بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب　　دست خدا ہے نام مرے دستگیر کا

اس مین دعوی پہلے مصرع مین اور دلیل دوسرے مین ہے۔

جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار　　اے کاش جانتا نہ ترے رہگذر کو مین

تو زیادہ تر رقیب کے گھر رہتا ہے یہ مجھے معلوم تھا۔ اس واسطے تیری تلاش مین دشمن کے گھر جانے کی ذلت بھی اٹھانی پڑی کاش مجھے تیرا پتہ نہ معلوم ہوتا تو یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

مومن نے اس مضمون کو نہایت عمدہ طریقہ سے ادا کیا ہے کہتا ہے ؎

اس نقش پا کے سجدے نے یا تنک کیا ذلیل　　مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

دوسرا پہلو اس مین یہ بھی موجود ہے کہ رقیب ہر وقت تیرے یہان رہتا ہے اور تیرا اور رقیب کا گھر ایک ہی ہے تو اس صورت مین تیرے گھر جانے سے گویا رقیب کے گھر جانا پڑا کاش تیرے گھر کا راستہ مجھے معلوم نہوتا اسی مضمون کو غالب نے دوسری جگہ ادا کیا ہے

رہ ہے یون گہ و بیگہ کہ کوئے دوست کو اب　　اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے

ہے کیا جو کس کے باندھئے میری بلا ڈرے　　کیا جانتا نہیں ہون تری رہگذر کو مین

کمر کسنا اور کمر باندھنا کسی مہم کی انجام دہی کے لئے مستعد ہونے کو کہتے ہین اسی لئے مصنف کہتا ہے کہ آپ جو مجھ سے بار بار کہتے ہین کہ تیرے قتل کے لئے ہم نے کمر کس کر باندھی ہے تو یہ آپ بے مجھے ڈراتے ہین آپکی کمر کا وجود ہی کیا ہے جو آپ نے کس کر باندھی ہے کیا مین آپکی کمر کو جانتا نہیں ہون جو آپ مجھے دھمکیان دیتے ہین۔

لو وہ بھی کہتے ہین کہ یہ بے ننگ و نام ہے　　یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو مین

لو اور سنو جس کی وجہ سے ہم تباہ ہو گئے وہ ہم کو بے ننگ و نام کہتا ہے اگر ہم جانتے کہ وہ بھی ہم کو یہ کہے گا تو ہم کاہے کو اپنا گھر تباہ کرتے۔

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ　　پہچانتا نہیں ہون ابھی راہبر کو مین

مین تلاش منزل مقصود مین سرگردان اور دیوانہ ہو رہا ہون انتہا دیوانگی کی یہ ہے کہ اپنے راہبر کو بھی نہین پہچانتا کہ کون مجکو میری منزل پر پہونچادے گا۔ اسی دیوانگی مین جس راہرو کو تیز جاتا ہوا دیکھتا ہون سمجھتا ہون کہ یہ بھی وہین جا رہا ہے اور اسے بھی میری طرح جلد پہونچنے کے لئے اضطراب ہے لیس اسی خیال کی بنا پر اس کے ساتھ ہو لیتا ہون جب دیکھتا ہون کہ وہ کسی دوسری جگہ جا رہا ہے اور اس کی منزل اور ہے تو پلٹ آتا ہون کوئی اور تیز رو ملتا ہے پھر اس کے ساتھ ہو لیتا ہون یہ شعر گویا ایک تصویر دیوانگی ہے۔ اور محاکات شاعری اسی کا نام ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ شاعری سے مصوری زیادہ سہے مگر دراصل یہ خیال غلط ہے بلکہ شاعری مصوری سے مشکل ہے اور اس میں اگر شاعر قادر الکلام ہے تو اُن باتوں کی تصویر کھینچ سکتا ہے جو مصور کو نصیب نہیں ہو سکتی ہیں مصور کا کمال تو یہی ہے کہ ہر چیز کی جو تصویر کھینچے اُس کے حالات عیاں ہوں مگر بعض کامل مصور ایسے بھی ہیں اور ہو گذرے ہیں کہ جذبات کی تصویر بھی کھینچ دیں مگر انکا یہ کمال مرئی اور مادی چیزوں تک منحصر اور محدود ہے۔ غیر مرئی چیزوں کی تصویر اگر مصور کھینچے گا تو بدقت کھینچے گا اور وہ بھی ایسی کہ جس کے دیکھنے سے اُس کی حالت پر پورا پورا عبور غیر ممکن ہے اس سے میری مراد جذبات ہیں یعنی فرض کر لیجئے کہ غصہ تمکنت غرور سادگی متانت اجڑے کھنڈروں کے نقشے ہرے بھرے باغوں کی سرسبزی اور رونق بہتے ہوئے چشمے کی روانی وغیرہ کو ایک مصور جا بکدست کھینچ سکے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ غصہ تمکنت غرور سادگی کے وجوہات بھیانک جگہ کے اسباب اور اُن کے اُجڑ جانے کے اوقات دریا کی روانی کے ساتھ اُس کے عمق وغیرہ کو وہ کیونکر دکھا سکتا ہے۔ بخلاف اس کے محاکات میں یہ سب باتیں ایک ہی ساتھ ادا ہو جاتی ہیں مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

زرنگ رنگ نسیم زیر گلان می خیزد ۔۔۔ عنبعنب این می چکد عارض آن می مرزد
سنبل این می کشد گرزن آن می گزد ۔۔۔ گہ بہ چمن می چمد گہ بہ سمن می وزد
گاہ بہ شاخ درخت گہ بہ لب جوبیار

اس میں ٹھنڈی ہلکی ہلکی اُس ہوا کی تصویر کھینچی گئی ہے جو صبح کے وقت باغوں میں پھولوں سے اٹھکھیلیاں کرتی پھرتی ہے مصنف نے پہلے ہوا کی نرمی اور آہستہ چلنے کی تعریف کی جس کے ساتھ ہی صبح کی نرم اور خوشگوار ہوا کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی (زیر گلان می خزد) کے ساتھ ہی چٹکتے ہوئے غنچہ دکھائی دینے لگے دوسرے مصرع سے ایک پنکھڑی کی ہوا سے حرکت سمجھ میں آئی اور دوسرے شعر کے پڑتے ہی باغ کے پتے پتے پر نگاہ جا پڑی جو نسیم سحر کے چلنے سے ملتے ہیں پانچویں مصرع میں میوہ دار شاخوں کا جھومنا پھولدار پودوں کے نازک نازک ٹہنیوں کا لچکنا سب سماں ایسے پیش نظر ہو گیا جیسے کہ باغ ہی میں موجود ہیں ہوا سے پانی کی روانی موجوں کا سر اٹھانا غرضکہ جملہ وہ لطافتیں جو صبح کو آبشار کے دیکھنے سے میسر ہو سکتی ہیں پیش نظر ہو گئیں۔

بخلاف اس کے ایک مصور باغ کی ہر ایک چیز کو بہ خوش اسلوبی دکھا دے لیکن یہ ہوا کی شوخیاں اور اس سے باغ کی لطافت وغیرہ وغیرہ غنچوں کے چٹکنے کی آوازیں وغیرہ وغیرہ کیونکر دکھا سکے گا۔

دور نہ جایئے غالب کے اسی شعر کو سمجھئے یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مسافر گم گشتہ راہ کی تصویر کھینچکر اُس کے جذبات حیرانی کو اُس کے چہرے سے ظاہر کر دے مگر جو حالت کہ آپ اس کے سننے سے سمجھ رہے ہیں کہ دو ڈاہ اور کبھی راہرو کے ساتھ ہونا پھر پلٹ آنا پھر دوسری حالت اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں کہ جو ایک مصور کی حد اختیار سے باہر ہیں۔

ہم محاکات اور تصویر کے موازنہ میں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کسی شے کا دیکھنا اور سننا کسی صورت سے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ مگر شاعر کے اندر یہ کمال موجود ہے کہ وہ اپنے حسن بیان سے ایک ایسی چیز کو بے قدر کر دیتا ہے جسے آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مثلاً ایک مصور تصویر کھینچکر لایا اُس کو آپ نے دیکھا اس سے آپ پر اس قدر اثر نہ ہو گا جس قدر کہ ایک جادو بیان کے چند الفاظ کی تصویر آپ کو محو کر دے گی۔ یہ اعجاز سے کم نہیں ہے۔

اس کے سوائے یہ بھی خیال کیجئے کہ مصور کے لئے یہ ضرور ہے کہ جس چیز کی تصویر کھینچے اُس کے ایک ایک خط و خال پر گہری نظر ڈالے اور اُسے اسی طرح تصویر میں دکھائے ورنہ تصویر میں بجائے خوبی کے نقص پیدا ہو جائے گا مگر شاعر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جزئیات بیان کرے

فردوسی افراسیاب کے غصہ اور غیرت اُس کے غرور تمکنت تکبر و دلیری۔ اپنے مقابلہ پر دنیا کو ذلیل سمجھنے اور زمانہ کے حیرت انگیز انقلاب کی یوں تصویر کھینچتا ہے ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار ۔۔۔ عرب را بجائے رسید است کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو ۔۔۔ تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یہ باتین تصویر مین دکھا دینا حد مصوری سے باہر ہی نہین ہین بلکہ غیر ممکن ہین۔

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار کیا پوجتا ہون اُس بُت بیداد گر کو مین

اس مین غالب ترین پہلو تشنیع کا ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ ابنائے دہر کیسے بیوقوف ہین کہ میری خواہش کو عبادت سمجھے ہین کہ مین اُس کو پوجتا ہون یعنی اہل دہر نے میری پرستش سے دہوکا کھایا ہے اور اس کو پرستش کا خطاب دیدیا ہے۔ حالانکہ جس حد تک میری پرستش ہے اُس کو پرستش کا خطاب نہین دیا جاسکتا ہے یہ حد طاعت بن نہین آسکتی صرف خواہش ہے اس مین ایک نازک نکتہ یہ نکلتا ہے کہ جب پرستش لیجائے گی وہ خواہش دل ہی سے ہوگی خواہ اُس مین کسیقدر استغراق کیون نہو اور جس امر مین خواہش دل شامل ہے وہ عبادت نہین ہوسکتی تو ثابت ہوا کہ حق طاعت کوئی بجا نہین لاسکتا۔ صرف دنیا پابندان خواہش کو عابد کا خطاب دیدیتی ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ معنی باریک اس شعر مین یہ ہین کہ شاعر حیران ہوکر پوچھتا ہے کہ کیا مین اُلٹے پوجتا ہون اُسے خبر نہین کہ معشوق کے سامنے جاکر اظہار نیاز پرستش کی حد تک پہونچ جاتا ہے یا خواہش کی حد تک رہتا ہے اور حیرت کے علاوہ دوسرا پہلو تشنیع کا بھی ہے۔

مگر اس سے پہلا مصرع قریب قریب بے معنی ہوا جاتا ہے کیونکہ مصنف خواہش کو پرستش سمجھنے کی بنا پر ہی دیکھنے والون کو احمق قرار دے رہا ہے۔ فافہم۔

پھر بیخودی مین بھول گیا راہ کوئے یار جاتا وگرنہ ایکدن اپنی خبر کو مین

مین اپنے دل اپنے ہوش وحواس کو اُس کی گلی مین چھوڑ آیا تھا اور جب سے وہان سے آیا ہون بیخود ہون لہذا اُس گلی کا راستہ بھی بھول گیا۔ اور اس لئے اب اپنے دل وجان ہوش وحواس کی خبر بھی نہین لاسکتا کہ اُنپر کیا گذری اور وہ اب کس حال مین ہین۔

اپنے پہ کر رہا ہون قیاس اہل دہر کا سمجھا ہون دلپذیر متاع ہنر کو مین

مثال مشہور ہے کہ المرا یقیس علی نفسہ یعنی جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ اسی لیے مصنف کہتا ہے کہ جیسے مین متاع ہنر کا قدردان ہون اور اسکو اچھا سمجھتا ہون اسی طرح دنیا کو سمجھتا ہون کہ اُس کو سب اچھا سمجھتے ہین حالانکہ دراصل ایسا نہین ہے ایک مین ایسا ہون تو ہوا کرون دنیا ایسی بیوقوف نہین ہے کہ متاع ہنر کی دلدادہ ہو ہنر اس زمانہ مین ایسی شے نہین ہے جسے کوئی پسند کرے اپنے پہ قیاس کرنا لکھنو کی زبان نہین ہے لیکن دہلی مین یہ محاورہ روزمرہ مین داخل ہے۔ غالب نے ایک جگہ اور بھی لکھا ہے۔ ع

اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائین کیون

غالب خدا کرے کہ سوار سمند ناز دیکھون علی بہادر عالی گہر کو مین

سوار سمند ناز سے مراد نازنین۔ علی بہادر یا تو کسی کا نام ہے جو مصنف کے دوستون مین ہین یا بہادر عالی گہر علی کی صفت ہے جس سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہین۔

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہین غیر سے بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہین

وہ میرا ذکر بدی اور بُرائی کے ساتھ بھی سننا نہین چاہتا کیونکہ مجھ سے اُسکو سخت نفرت اور عداوت ہے گر میرا رقیب ہر وقت اُس سے میری بُرائی کرتا ہے تو عجب نہین کہ وہ اس کا بھی دشمن ہوجائے۔ بالکل اسی مضمون کو دوسری جگہ بھی کہا ہے ؎

دشمنی نے میری کھویا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

وعدۂ سیر گلستان ہے خوشا طالع شوق مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہین

اُس نے میرے ساتھ سیر گلستان کا وعدہ کیا ہے اور اس مین جو خاص بات ہے اُس کا مجھ سے ذکر نہین کیا۔ یعنی در پردہ میرے قتل کا ارادہ ہے اگر ایسا ہوجائے تو میرے شوق کا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ اسی مضمون کو ایک جگہ اور بھی

مصنف نے کہا ہے جس کے ساتھ ہم بھی شعر کو لکھ چکے ہیں مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔

شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم   لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں

شعرا نے معشوق کی کمر کو اس قدر نازک قرار دیا ہے کہ اس کو بالکل معدوم
فرض کر لیا ہے کہ لوگ عالم یعنی دنیا کو معشوق ہستی مطلق کی کمر کہتے ہیں (یعنی اس صورت
سے اس کو معدوم قرار دیتے ہیں۔ مگر انکا یہ کہنا کہ عالم شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے۔ سراسر
طلاف ہے لوگ عدم کے ساتھ ہے کا لفظ کیوں شامل کرتے ہیں یہ بالکل بے معنی یعنی
ستی ایک معدوم شے ہے جس کے ساتھ اثبات کا کوئی لفظ شامل کرنا منافی مقصود ہے
ظم صاحب لکھتے ہیں کہ منظور یعنی مبصر و مرئی استعمال کیا ہے مگر یہ خلاف محاورہ ہے
خیال میرے نزدیک صحیح نہیں ہے بلکہ غالب کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہے (یعنی
ل اس کے ساتھ ہے کا لفظ شامل کرتے ہیں مگر ہم اس (ہے) کو نہیں مانتے۔ ہے کی
معدوم شے میں گنجائش ہی نہیں ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن   ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

یعنی حقیقت میں میں بھی ایک ایسا قطرہ ہوں جو فنا فی البحر ہے اور اس
ظ سے میں بھی دریا ہوں مگر منصور کی طرح میرا ظرف چھوٹا نہیں ہے کہ لوگوں پر
نے دریا ہونے کا اظہار کردوں یعنی میں بھی مرتبۂ فنا فی الذات پر پہونچ گیا ہوں مگر
نہیں کہ منصور کی طرح کہدوں کہ میں خدا ہوں لفظ حقیقت اس شعر میں لطف سے
لی نہیں ہے ؎

دل ہر ذرہ ہے ساز انا البحر   ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی   عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

اے ذوق خرابی افسوس ہے کہ اب مجھ میں وہ پہلی سی طاقت باقی نہ رہی
شق جیسے پہلوان سے نبرد آزمائی کردوں (ذوق خرابی) سے یہ معنی پیدا ہوتے
کہ عشق نے مجکو خراب کیا اور اب بھی خرابی کے سوائے عشق سے کوئی نتیجہ پیدا

نہ ہوگا (گوں) بمعنی ڈھب ہندی کا لفظ ہے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینگے قیامت میں تمہیں   کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں

یعنی جب میں اس سے کہتا ہوں کہ ہم خدا سے تم کو قیامت میں لیں گے
وہ حاضر جوابی کی راہ سے کہتا ہے کہ کوئی ہم حور تھوڑی ہیں جو آپ کو قیامت میں
ملجاوینگے۔ دوسری جگہ یہی مضمون اس طرح کہا ہے ؎

ان پریزادوں سے لینگے خلد میں ہم انتقام   قدرت حق سے اگر حوریں یہی واں ہو گئیں

ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو   تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں

مجھپر اگر لطف اور مہربانی کرتے میں تجھے کچھ تکلف ہے تو یہ نہ سہی مگر ظلم تو
کر کیونکہ حالت تغافل میں یہ دونوں باتیں تو کرسکتا ہے مگر محض تغافل میں تو معذور
اور معاف نہیں رکھا جا سکتا یعنی تیرا تغافل تجھے دونوں باتیں کرنے کی اجازت
دیتا ہے اور دونوں بہ آسانی سرانجام پا سکتی ہیں یعنی ہر کوئی تجھے مجھ سے غافل
سمجھ کر یہ بھی قیاس کرسکتا ہے کہ یہ عاشق پر جور و جفا کر رہا ہے اور یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے
کہ اب یہ اپنے دلدادہ پر مہربان ہو گیا کہ اس نے ظلم کرنا چھوڑ دیا۔
دوسرے یہ معنی ہیں کہ عاشق و معشوق کہیں حسن اتفاق سے ملے ہیں اور
عاشق مصرع اولیٰ کا مضمون اس کے سامنے ادا کرتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ
لوگ مجھے اس بات کے طعنے دینگے کہ یہ اس سے ملا تو عاشق اس کو اپنے اوپر مہربان
کرنے کا حیلہ بتاتا ہے کہ یہ تغافل جو تو نے اختیار کیا ہے اس کی بنا پر روئے مجھپر ظلم
کیا کر تو اس میں میرا کام بھی ہو جائے گا کہ تو مجھپر کم سے کم اس قدر تو مہربان ہوا کہ
ظلم کیا اور لوگ بھی نہیں سمجھ سکیں گے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

دوسرے مصرعہ کا یہ بھی مفہوم ہے کہ تغافل اختیار کرکے تجھ کو معذور اور
مجبور تو ہو نہیں گیا ہے بہر صورت تجھے اب بھی ظلم و مہربانی کا اختیار ہے جب چاہے
اس کو چھوڑ کر یہ اختیار کرے۔ مولانا نظم اپنے یہاں اس کی شرح یہ تحریر کرتے ہیں۔

یعنی تغافل تو ناآشنائے محض ہے یہ مجھے کیونکر گوارا ہو حسرت صاحب کہتے ہین کہ اگر تو لطف نہین کرتا تو ظلم ہی کر بہرحال تغافل نہ کر۔ یعنی تیرا شیوہ ستم سے تغافل بھی پسند نہین ہے۔

ساقیا درد کشِ پیمانۂ جم ہین ہم لوگ   وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہین

ہم مے کشی مین جمشید کے مقلد ہین اور شراب انگوری اُسی کی ایجاد ہے لہٰذا وہ شراب کہ انگور کی نہو ہم نہین پیتے۔ دردی کش کی وجہ سے لفظ صاف لایا گیا ہے جسنے شعر کو بے اثر بنانے ہی پر بس نہین کی اس کی بندش کو بھی سست کردیا کہ ایک جگہ کہتے ہین ؎

ناداں حریف مستی غالب مشو کہ او   دردی کش پیالۂ جمشید بودہ است

ہون ظہوری کے مقابل مین خفائی غالب   میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہین

مین چونکہ مشہور نہین ہون لہٰذا خفائی ہوا۔ اور خفا اور ظہور مین تقابل ہے لہٰذا مین بوجہ نہ مشہور ہونے کے ظہوری کا مدمقابل ہون یعنی جتنے کہ ظہوری مشہور تھے مین نامشہور ہون۔ مرزا غالب شاعری مین مرزا عبدالقادر بیدل۔ عرفی۔ نظیری۔ ظہوری کے رنگ کے متبع تھے اور اس تقلید و اتباع پر اکثر جگہ ناز کیا ہے۔ جیسا کہتے ہین۔

بنظم و نثر مولانا ظہوری زندہ ام غالب   رگِ جان کردہ ام شیرازہ اوراق کتابش را
گشتہ ام غالب طرف با مشرب عرفی کہ گفت   روئے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است
ذوق فکر غالب را بردہ ز انجمن بیرون   با ظہوری و صائب محو ہم زبانی ہاست
ہا تازہ گشتہ غالب رونقِ نظیری از تو   سر زد اینچنین غزلی را بسفینہ ناز کردن

نالہ جز حسن طلب اے ستم ایجاد نہین   ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہین

اے ستم ایجاد تو سمجھتا ہے کہ مین جو تیرے ظلم و ستم پر روتا ہون اس سے ظلم و ستم کا شکوہ مقصود ہے یہ میرا مطلب نہین ہے بلکہ اس نالہ سے میرا مطلب یہ ہے کہ تو مجھپر اور بھی زیادہ ظلم و ستم کرے یعنی مین جس قدر روؤن گا تو خفا ہوگا اور زیادہ

ظلم کرے گا۔

یا یہ کہ اے ستم ایجاد تو نے میرے نالہ کو شکوۂ ستم سمجھ کر شیوۂ تغافل اختیار کیا ہے تو غلط سمجھا ہے مین اس گریہ سے شکوۂ بیداد نہین کرتا بلکہ تقاضائے جفا کرتا ہون۔

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو کیا خوب   ہمکو تسلیم نکونامی فرہاد نہین

یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ فرہاد خسرو کے حکم سے کوہ بیستون کو کاٹنے اور نہر نکالنے کے لئے گیا لوگ اس کو عشق صادق پر محمول کرتے ہین کہ اس نے عشق پر دھبہ نہ آنے دیا اور یہ سخت کام انجام دینا منظور کیا۔ مگر ہم کو یہ تسلیم نہین ہے۔ فرہاد کو دراصل عشق کامل نہ تھا ورنہ رشک اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ رقیب کے حکم کو مانتا اور اُس کے عشرت گاہ کو زینت دیتا یہ نکونامی نہین ہے بلکہ فرہاد کے لیے باعث بدنامی ہے بالکل اسی مضمون کو غالب نے فارسی مین کہا ہے ؎

از جوئے شیر و عشرت خسرو نشان نماند   غیرت ہنوز طعنہ بہ فرہاد میزند

کم نہین وہ بھی خرابی مین پہ وسعت معلوم   دشت مین ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہین

یعنی میرا گھر بھی خرابی مین جنگل سے کم نہین ہے مگر جنگل کی طرح وسیع نہین ہے اس لئے جنگل مین وہ عیش مجھکو نصیب ہے کہ گھر یاد نہین آتا۔ اس قسم کے اور شعر بھی گذر چکے ہین۔

اہلِ بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب   لطمۂ موج کم از سیلی استاد نہین

عقلمند طوفان حوادث زمانہ سے افسردہ دل نہین ہوتے بلکہ وہ اس سے عبرت حاصل کرتے اور سبق لیتے ہین اور طمانچہ موج حوادث کو استاد کا تھپڑ سمجھتے ہین۔ ظہیر فاریابی کا ایک شعر ہے ؎

صد رہائے عشق را کہ بوالہوس دارد قبول
کے شناسد طفل قدر سیلی استاد را

104

واۓ محرومیٔ تسلیم و بدا حال وفا — جانتا ہے کہ ہمیں طاقت فریاد نہیں

ہم بربنائے صبر و رضا و وفا اُس کی جفاؤں پر آہ و فریاد نہیں کرتے تو سمجھتا ہے کہ ہم فریاد کر ہی نہیں سکتے اور ہم میں فریاد کی طاقت باقی نہیں رہی ہے ہائے ہمارا شیوہ تسلیم کس قدر اثر سے محروم ہے اور ہماری وفا کس قدر بُری ہے محرومیٔ تسلیم و بدا حالِ وفا کے ظاہراً معنی تو یہی ہیں جو ہم نے لکھے مگر دراصل جو انکا لطف ہے وہ ذوقِ وجدانی پر خوب ظاہر ہوتا ہے۔

رنگ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے — گر چراغان سرِ رہ گذرِ باد نہیں

اگر گل و لالہ چراغانِ سرِ رہ گذرِ باد نہیں ہیں تو آخر ان کا رنگ اس قدر پریشان کیوں ہے رنگ کی پریشانی رنگ اُڑنے کو کہا گیا ہے اور اسی سے چراغ گل و لالہ کو چراغ رہگذرِ باد قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جیسے ہوا چراغ کو بجھا دیتی ہے اسی طرح چراغ گل کی روشنی رنگ کو زائل کر کے اُس کو بے نور کر دیتی ہے پھولوں کو چراغ رہ گذرِ باد کہنا لطافت سے خالی نہیں اور غالباً یہ نئی تشبیہ ہے جو اردو کے دواوین میں نہیں پائی جاتی۔ ایک جگہ کہا ہے ؎

ہیں فنا آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یاں

سبدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں — مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

اے مرغِ گرفتار شکر کا مقام ہے کہ تجھے کسی صیاد نے گرفتار نہیں کیا گلچیں نے سیر کر کے سبدِ گل کے نیچے بند کیا ہے۔ اگرچہ تو قید ہے مگر پھولوں کی صحبت تجھ کو حاصل ہے اور یہ بہت غنیمت ہے۔ حاصل یہ ہے کہ عاشق کیسی ہی تکلیف میں ہو مگر معشوق کی صحبت حاصل ہے تو قید خانہ بھی اُسے جنت ہے۔ مولانا نظم نے اس شعر کی شرح میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ شعرا کو عادت ہو گئی ہے کہ گل و بلبل و شمع و پروانہ کا ذکر بھی مضمونِ شعر سمجھتے ہیں اُنھیں کے تتبع میں مصنف نے یہ شعر کہا ہے ورنہ جہاں تک غور کیجیے کوئی حاصل اس کا نہیں معلوم ہوتا۔ فقط۔ جناب حسرت اس کی شرح یہ لکھتے ہیں۔

مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

جو مرغ کو قفس میں بند کر دے گا۔ فقط۔ یہ شعر مرغ آزاد سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ تجھے مژدہ ہو اس وقت باغ میں صیاد نہیں ہے گلچیں ہے اگر تجھے گرفتار بھی کرے گا تو سبدِ گل کے نیچے بند کرے گا۔ جو تیرے لئے باعثِ راحت ہو گا نہ کہ قفس کی طرح جانگزا (کرے یہ) اب متروک ہے۔ اور کرتا ہے بجائے اُس کے فصیح ہے۔

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا — دی ہے جائے دہن اُس کو دمِ ایجاد نہیں

اس کو بجائے دہن کے (نہیں) ملی ہے یا اُس کے دہن تو ملا نہیں نہیں ملی ہے کہ ہر بات پر وہ نہیں کہتا ہے اور اس نفی سے اثبات کی تراوش ہوتی ہے یعنی کوئی چیز ضرور ہے جس سے وہ اس لفظ کو ادا کرتا ہے پہلی صورت میں دوسرے مصرع کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ نہیں بجائے دہن اُس کو ملی ہے مگر ملی ضرور ہے۔ اس شعر میں مصنف نے یا غلطی سے اثبات کو مؤنث باندھا ہے یا وہ اپنے نزدیک اس کو تانیث بھی صحیح سمجھتے تھے دوسری جگہ مذکر بھی لکھا ہے۔ ع

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت — یہی نقشہ ہے مگر اس قدر آباد نہیں

بہشت رونق کے حق میں تو ایسا ہی ہے جیسا تیرا کوچہ ہے مگر وہ اتنا آباد نہیں ہے یہاں عاشقوں کا مجمع وہاں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ ہم ایک جگہ ایسے ہی شعر کے ساتھ اس کو لکھ چکے ہیں۔

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ — تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

غالب تم غربت کی شکایت کس منہ سے کرتے ہو کیا یارانِ وطن کی بے وفائیاں اور دل آزاریاں یاد نہیں ہیں جو کہ اس سے بھی بہت زیادہ تھیں ؎

تھی وطن میں شان کیا غالبؔ کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

دونون جہان دیکے وہ سمجھا یہ خوش رہا — یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین

ہم نے دونون جہان کو اُس کے مقابلہ پر ہیچ سمجھا تو اس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ خوش ہے حالانکہ دونون جہان کا چھوڑنا ہم کو بہت شاق گذرا تھا۔ مگر شرم یہ تھی کہ اُس کا یہ خیال ہے تو یہی سہی اب تکرار کیا کرین سمجھنے دو چپ ہو رہو۔ ؎

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار مین آئے

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے — تیرا پتہ نہ پائین تو ناچار کیا کرین

یعنی تیری جلوہ گاہ تک کوئی نہ پہونچ سکا کوئی یہان تھک کر رہ گیا کوئی وہان رہ گیا غرضکہ اثنائے منزل ہی مین سب کا خاتمہ ہوا اور ایسا کیونکر نہوتا کیونکہ تجھ تک پہونچنا حد بشری سے باہر ہے یہ شعر تصوف کا ہے مقام سے مقامات سلوک مراد ہے جو سالک کو اس راہ کے طے کرنے مین پیش آتے ہین۔

کیا شمع کے نہین ہین ہوا خواہ اہل بزم — ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

مطلب یہ ہے کہ بزم مین شمع کے خیر خواہ بھی موجود ہین مگر وہ مجبور ہین اس کا غم جانگزا اور رنج جانفرسا ہے وہ اس کا کچھ مداوا نہین کرسکتے۔

ہو گئی غیر کی شیرین بیانی کارگر — عشق کا اُس کو گمان ہم بے زبانون پر نہین

دشمن نے چرب زبانی سے اُس کو رام کر لیا ہے اور اُسے یقین دلا دیا ہے کہ مین عاشق صادق ہون ہم بے زبان ہین رعب حسن ہم کو کچھ کہنے کی اجازت نہین دیتا اس لیے وہ ہم کو اپنا عاشق نہین سمجھتا۔

قیامت ہے کہ سُن لیلیٰ کا دشتِ قیس مین آنا — تعجب سے وہ بولا یون بھی ہوتا ہے زمانہ مین

وہ سنگدل جذب دل عاشق سے بے خبر ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ لیلیٰ کا ناقہ راستہ بھول کر اک شب تار مین اس کو اس جنگل مین لیگیا تھا جہان مجنون خاک چھانتا تھا

چنانچہ قیس کو جب یہ قصہ سُنایا تو اُس نے کہا کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک معشوق عاشق کے پاس چلا جائے یعنی جذب عشق اتنا نہین ہو سکتا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حجاب معشوقانہ معشوق کو عاشق کے پاس جانے کی اجازت دیدیتا ہے۔

دلِ نازک پہ اُسکے رحم آتا ہے مجھے غالب — نہ کر سرگرم اس کافر کو اُلفت آزمانے مین

اے غالب تو جو ارادہ کرتا ہے کہ مین جان دیکر اس کی الفت کو آزماؤن اور امتحان کرون کہ میرے مرنے کے بعد اس کو کچھ میرا رنج ہوتا ہے یا نہین ایسا نکر ممکن ہے کہ اس سے اس کے نازک دل کو کوئی صدمہ پہونچے جو مجھے منظور نہین۔

دل لگا کر لگ گیا انکو بھی تنہا بیٹھنا — بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یان

یعنی وہ بھی کسی پر عاشق ہوئے ہین اور اب رات دن تنہا بیٹھے رہتے ہین جیسے کہ عاشقون کا قاعدہ ہے خیر کچھ بھی ہوا اس صورت مین ہمین اپنے کیے کی داد ملگئی جیسے ہم اکیلے منہ لپیٹے پڑے رہتے تھے ویسے ہی انکو بھی دیکھ لیا ؎

عاشق ہوئے ہین آپ بھی اک اور شخص پر — آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

جناب جاوید بالفاظ دیگر اسی مضمون کو یون ادا کرتے ہین ؎

منت کا ذکر کیا یہ اسیرون کا صبر ہے — اپنے گلے مین آپنے زنجیر دیکھ لی

ہین زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام — مہر گردون ہے چراغ رہگذار باد یان

دنیا کا ذرہ ذرہ آمادۂ زوال ہے گویا سورج ایک ایسا چراغ ہے جو ہوا مین جل رہا ہے اور کوئی دم مین فنا ہوا چاہتا ہے۔

یہ ہم جو ہجر مین دیوار و در کو دیکھتے ہین — کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہین

ہمارا ہجر مین دیوار و در کو دیکھنا بے سبب نہین ہے بلکہ ہم اپنے قاصدون کا انتظار کر رہے ہین ایک قاصد ہوا ہے جس سے دیوار پر نظر پڑتی ہے کہ کب وہ دیوار پھاند کر ہم تک اس کی خبر لاتی ہے اور در کو قاصد کی وجہ سے دیکھتے ہین کہ کب وہ یہان

پہونچتا ہے۔

صبا کو نامہ بر بنانے کی بہت سے وجوہ ہین ایک یہ کہ یہ ہر جگہ بغیر روک ٹوک جاسکتی ہے دوسرے یہ کہ صبا خوشبو وغیرہ منتشر کرتی ہے اور ایک جگہ کی خبر دوسری جگہ پہونچاتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ مضمون اس قدر مبتذل ہوگیا ہے کہ اب واجب الترک ہے

وہ آئین گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

یعنی وہ اور ہمارے جھونپڑے مین آئین یہ قدرت الٰہی ہے　اسی وجہ سے حالت حیرانی مین کبھی ہم انکو دیکھتے ہین اور کبھی ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہین کہ یہ منہ اور مسور کی دال چہ نسبت خاک را با عالم پاک مصرعہ ثانی اسقدر بے تکلف واقع ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سلیس کرکے لکھنا غیر ممکن ہے۔

لگے نظر نہ کہین اسکے دست و بازو کو　　یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

لوگ از راہ ہمدردی میرے دل کے کاری زخم کو دیکھ کر قاتل کی چابکدستی کا خیال کرتے ہین مگر مین ڈر رہا ہون کہ کہین اس کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جائے یہ شعر مقبول عام ہے اور تعریف سے مستغنی ہے۔

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھین　　ہم اوج طالع لال و گہر کو دیکھتے ہین

تیری کلاہ کے موتیون کی چمک دمک پر کیا نگاہ ڈالین ہم موتیون کے نصیبہ کا خیال کر رہے ہین کہ انکا بخت بلند کیسے اوج پر ہے جو تیرے گوشہ کلاہ تک ان کی رسائی ہوئی۔ اسی زمین مین ذوق مرحوم کی غزل ہے جس کا مطلع بے مثل ہے۔

ہم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہین　　وہ آج بزم مین دیکھین کدھر کو دیکھتے ہین

نہین کہ مجھکو قیامت کا اعتقاد نہین　　شب فراق سے روز جزا زیاد نہین

یہ بات نہین ہے کہ مین قیامت کا منکر ہون بلکہ اس کے آنے اور اس کی تکالیف اور شدائد کو بھی شب فراق کی سختیون سے زیادہ تکلیف دہ نہین سمجھتا ایک ہی استعدد

برا ہو شام غم کا اسنے کا ذکر دیا مجھکو　　مین قایل ہی نہین اب روز محشر کی درازی کا

کوئی کہو کہ شب مہ مین کیا برائی ہے　　بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہین

ابر و باد مین شراب نوشی کا مزہ ہے مگر آج دن مین اگر کالی کالی گھٹا ئین آسمان پر چھائی ہوئی نہین ہین اور اس کے باعث سے شراب نوشی مین بے لطفی ہے تو کیا پروا ہے اس کا نعم البدل تو موجود ہے رات کو چاندنی ہوگی اس سے بھی وہی ابر و باد کا لطف حاصل ہوگا۔

جو آؤن سامنے انکے تو مرحبا نہ کہین　　جو جاؤن واں سے کہین کو تو خیرباد نہین

وہ میرے ساتھ اس بے التفاتی سے کام لیتے ہین کہ اگر کبھی بزم مین جاتا ہون تو یہ نہین کہتے کہ آئیے تشریف لائیے جاتا ہون تو کبھی خدا حافظ ان کے منہ سے نہین نکلتا۔

کبھی جو یاد بھی آتا ہون مین تو کہتے ہین　　کہ آج بزم مین کچھ فتنۂ و فساد نہین

اول تو وہ مجھے بزم مین یاد ہی کب کرتے ہین اور اگر کبھی اتفاقاً یاد آجاتا ہون تو یہ فرماتے ہین کہ آج محفل مین کچھ فتنہ و فساد نہین ہو رہا ہے شاید وہ مفسدہ پرواز نہین آیا۔ گویا یاد بھی کرتے ہین تو اس طرح کہ جس سے نہ یاد کرنا اچھا۔

علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب　　گدائے کوچۂ میخانہ نامراد نہین

یہی نہین ہے کہ شراب خانہ کے فقیر کو بس عید ہی کے دن شراب ملے (عید کے دن کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ عید کے دن عموماً صدقۂ فطر وغیرہ دیا جاتا ہے) نہین وہان اور دنون مین بھی فقیر کو کچھ نہ کچھ مل ہی رہتا ہے اور وہان کا فقیر کبھی نامراد نہین رہتا۔ ایک اور شعر مین اسی مطلب کو ایک نئے پہلو سے ادا کیا ہے۔

غمگین کیے نیر دواز کوئے میکدہ　　تا ہم پیالہ ہر عید شش نمی کنند

جہان مین ہو غم و شادی بہم ہمین کیا کام　　دیا ہے ہمکو خدا نے وہ دل کہ شاد نہین

لوگ کہتے ہیں کہ جہان میں غم وشادی توام ہیں مگر ہوا کریں ہم تو وہ محروم ازل ہین کہ ہمارا دل کبھی شادہی نہین ہوا ہم ہمیشہ غم ہی مین گرفتار رہے یا یہ کہ ہم کو کبھی ایسی خوشی بھی نصیب نہین ہوئی جو غم سے ملی ہوئی ہو۔

تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُنسے کیون کرو غالب   یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہین کہ یاد نہین

گویا کوئی دوسرا شخص ہے جو غالب کو سمجھا رہا ہے اور کہتا ہے کہ تم اُن کے وعدہ کا اُن سے کیون ذکر کرتے ہو کہ بار بار یہ سنکر کہ ہم کو یاد نہین ناحق کا صدمہ اٹھانا پڑتا ہے اس سے یہی اچھا ہے کہ انکا وعدہ اُنہین یاد نہ دلایا کرو۔

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہین   ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

تیرے گھوڑے کو صبا سے تشبیہ دیتے ہین اس سے ہمارے مضمون کی ہوا بندھ جاتی ہے۔ صبا باندھنے سے ہوا باندھنا بہت خوب ہے۔

معشوق کو شہسوار اور ترک قدر انداز وغیرہ لکھنا شعرائے اُردو کی عادت مین داخل ہو گیا ہے حالانکہ بہت سے لکھنے والے ایسے ہون گے جو اس سے بےخبر ہون گے کہ یہ تشابیہ معشوق کے لئے خاص کیون کی گئی ہین۔ کیونکہ اگر اتفاق سے اس پہلو کو نظرانداز کر دیا جائے کہ ہند کی شاعری مین عورت عاشق اور مرد معشوق قرار دیا گیا ہے۔ اور اہل ایران کی طرح امرد پرستی ہی کو شاعری کی بنا اور مرد کو معشوق کہا جائے تو بھی یہان تک تواریخ یا ہندوستان کے جھوٹے سچے قصون سے مدد ملتی ہے یہ کہین نہین دکھائی دیتا کہ کسی امرد معشوق نے نیزہ بازی سیکھی ہو یا قدر اندازی سے کسی عاشق کی جان لی ہو۔ یا تلوارین چلائی ہون۔ یہان کے عشاق کی موت محض تیل افیون اور زہر کھانے کنوین مین ڈوب جانے پر منحصر رہی ہے بڑی کسی نے ہمت کی تو خود کو کوٹھے وغیرہ پر سے گرا دیا اپنے گولی ماری۔ چاقو مار لیا۔ یہان کی معشوق اگرچہ ہندی شاعری مین مرد اور عورت عاشق قرار دی گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی برعکس معاملہ تھا۔ بہت کم ایسی بے حیا عورتین ہندوستان مین پیدا ہوئی ہین جنھون نے غیر مردون کے عشق کو نصب العین قرار دیا۔ یہان تک کہ عفیفہ بھی تعداد مین کالمعدوم ہین جنھون نے شوہر پرستی کے جوش مین اپنے اصلی اور سچے جذبات کو شاعری کے ذریعہ سے مشتہر کر کے عوام کو

اُن سے آگاہ کیا ہو۔ اُنکا عشق اُنکی محبت کیسی ہی برانگیختہ ہوئی ہو مگر زیادہ تر سینہ کی چہار دیواری مین محدود رہی ہے اُنھون نے دنیا کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنا کبھی اپنا فخر نہین سمجھا مگر بہاشا اور ہندی شاعری کے مٹ جانے کے بعد بھی اگر خیال فرمایئے تو اُردو شاعری جو فارسی کے قدم بقدم چلی ہے اسکے شروع ہونے کے وقت سے اس وقت تک کوئی دور ایسا نہین آیا کہ کوئی جنگجو قوم معشوق بنکر یہان رہی ہو۔ اور جنھون نے تیر تلوارون نیزون وغیرہ سے عاشقون کا خون بہایا ہو۔ عربی ترکی گھوڑون پر چڑھ کر بازارون مین نکلے ہون۔ بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کی شاعری زوال پذیر ہوئی اور فارسی شاعری معرض ظہور مین آئی۔ اتفاق سے وہان ترک غلام بہت کثرت سے تھے جو نہایت حسین تھے چونکہ مستی اہل ایران کا شعار بنا ہوا تھا عیش و طرب انکا دور دورہ تھا چنانچہ یہ غلام بھی اس مصرف کے لئے نہایت موزون سمجھے گئے۔ اُمرا کی مجالس عشرت مین ساقی گری اور بزم آرائی یہی کرتے رہے۔ ایرانیون کو امرد پرستی بھی مرغوب تھی اس لیے یہی لوگ بالآخر مستقل معشوق قرار پائے اور شعرا کو ایک مستقل دل لگی کا ذریعہ ہاتھ آیا۔

معتصم باللہ کے زمانہ مین فوج مین حسین اور خوشرو ترک بھرتی کئے گئے تھے۔ اسی لحاظ سے شعرا کے لیے ع

سمند ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا

کا مضمون ہوا جہان ترکون کو حسین کہا گیا تھا وہان اُن کی معشوقی کی صفات مین جنگجوئی قدر اندازی تیغ زنی وغیرہ کا بھی اضافہ ہو گیا اور اس کثرت سے یہ مضامین نظم ہونے لگے کہ بڑے بڑے شعرا اس اثر سے خود کو نہ بچا سکے۔

ہماری شاعری کو جہان فارسی والون سے ترکہ مین اور اور باتین ملی ہین یہ بھی ملگئی۔ حالانکہ چندروز کے بعد ان مضامین کا ایران کی شاعری مین اثر کم ہوتا گیا۔ اور وہ عرفی ظہوری۔ نظیری۔ صائب وغیرہ کے زمانہ مین بہت کم رہ گیا۔ مگر اُردو مین آج تک وہی مضمون گلے کے ہار کی طرح لگے ہوئے ہین۔

یہان یہ نکتہ بھی لکھنے کے قابل ہے کہ اس امرد پرستی اور خلاف فطرت فعل سے اہل ایران کے طبائع اور اُن کے افعال قبیح ٹھہرتے ہین۔ مگر اُن کی شاعری پر کوئی نکتہ چینی نہین کیجا سکتی اس لئے وہ جیسا کچھ دیکھتے تھے ویسا لکھتے تھے۔ اور اس کا نقشہ اتار کر دیکھتے اور دکھاتے تھے

مگر ہمارے شعرا مین تو بہت سے ایسے ہون گے کہ جنھون نے ترکون کی صورت بھی خواب مین بھی نہ دیکھی ہو مگر اُن کے نام اور ان کی وہی معشوقانہ حالت محکومی کی حاکمانہ صفات۔ قدرانداز گھوڑون پر سوار ہو کر نکلنا شہسوری کا فن قتل غارتگری وغیرہ وغیرہ بے تکلفی کے ساتھ لکھی جاتی ہین۔ جو کسی حد تک بھی جایز قرار نہین دی جا سکتی ہین۔ اور یہی وجوہ ہین جو ہماری شاعری مین اثر نہین پیدا ہونے دیتے اور دوسری قومون کی نظر مین ہمین بے تکی کا خطاب دلاتی ہین۔

آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے   ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہین

کہتا ہے کہ آہ مین کہین اثر ہوتا ہے یا عاشق کی آہ سے کوئی کام نکلتا ہے یہ صرف ہماری ہوا بندی ہے اس سے بس ہم اتنا کام لیتے ہین کہ ذرا مضمون مین آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے۔

تیری فرصت کے مقابل اے عمر   برق کو پا بہ حنا باندھتے ہین

اے عمر تو اتنی تیز رو ہے کہ تیرے مقابل مین برق کی کوئی ہستی نہین تو بہت جلد گزر جاتی ہے اور وہ دیر مین گزرتی ہے۔

قید ہستی سے رہائی معلوم   اشک کو بے سر و پا باندھتے ہین

قید ہستی سے کسی صورت مین رہائی نہین ہو سکتی آدمی باوجودیکہ معدوم تھا اور معدوم ہو جائے گا مگر پھر بھی ہستی کی قید سے آزادی نہین ہے اس کی مثال اشک کی ہے کہ لوگ اس کو بے سر و پا کہتے ہین۔ مگر پھر بھی باندھتے ضرور ہین ہستی سے آزادی نہین ہو سکتی یا اشک کے مضمون کو شعرا باندھتے ہین

نشہ رنگ سے ہے واشد گل   مست کب بند قبا باندھتے ہین

پھول نشہ رنگ سے مست ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے اس کی واشد اور شگفتگی کا یہی سبب ہے۔ مست بند قبا کب باندھتے ہین۔

غلطیہائے مضامین مت پوچھ   لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہین

یعنی شعرا کے مضامین کی غلطیون کا کیا اظہار کیا جائے بس کچھ نہ پوچھئے نالہ جو کبھی رسا ہوتا ہی نہین اور جو عنقا صفت معدوم ہے اس کو رسا باندھتے ہین۔
غلطی کا لفظ ہے جو فاعل اور مفعول دونون کے معانی پیدا کرتا ہے مگر ہندیون نے یائے مصدری کا لگانا بھی صحیح سمجھا ہے اس صورت مین جمع اسکی درست نہ ہوگی مگر اکثر شعرا اور فصحا اس کو جایز رکھتے ہین۔

اہل تدبیر کی واماندگیان   آبلون پر بھی حنا باندھتے ہین

عقلا کی واماندگیان دیکھئے کہ اگر پاؤن مین چھالا پڑ جاتا ہے تو اس پر حنا باندھتے ہین یعنی ایک تو چھالا ہی ایسی چیز ہے کہ چلنے نہین دیتا دوسرے اس پر مہندی لگانا غلط در غلط ہے یعنی یہ مشہور اور ظاہر ہے کہ حنا لگا کر چل نہین سکتا۔ اس مین یہ بھی مفہوم ہے کہ اہل جنون کا علاج برعکس کرتے ہین اور اُن سے کچھ بن نہین پڑتا۔

سادہ پرکار ہین خوبان غالب   ہم سے پیمان وفا باندھتے ہین

معشوق ظاہر مین سادے ہین مگر دراصل بڑے ہوشیار ہین ہم سے بے وفائی کرنے کے لئے پیمان وفا باندھتے ہین یا یہ کہ ہم کو ذرا تغیر لہجہ کے ساتھ پڑھنا چاہئے (یعنی ہم سے اور پیمان وفا) کہ جو ان کی ہر ایک بات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہین خوب کی جمع خوبان اب بغیر کسی ترکیب فارسی کے لکھنا بُرا ہے اور غیر فصیح ہے۔

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد   وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہین

گویا اس شعر کا قایل کوئی دوسرا شخص ہے جو کہتا ہے کہ زمانہ اسد کی جان پر جو مصیبتین ڈال رہا ہے وہ اس کی آرزوؤن کو دیکھتے ہوئے کم ہے وگرنہ ہم کو تو اس سے بھی بہت زیادہ اس سے تکالیف پہونچنے کی امید تھی اور ہے۔ اس صورت

میں بجان اسد مضاف و مضاف الیہ ہیں۔ اس میں (ب) کو قسمیہ بھی مانا جا سکتا ہے۔ مگر اس حالت میں (بجان) اردو کے لئے ایک غیر مانوس ترکیب ٹھہرے گی۔

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

کاش میں پتھر ہوتا تو ہمیشہ تیرے دروازے پر پڑا رہتا یعنی تیرا سنگ آستان بنتا۔ ایسی زندگی پر خاک پڑے کہ میں پتھر نہیں ہوں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہمیشہ تیرے ہی در پر میں نہیں پڑا رہتا ہوں افسوس ہے اور ایسی زندگی پر لعنت ہے کہ پتھر نہیں ہوں اور پتھر کی حالت ہو گئی ہے۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پتھر کی طرح پڑا تو ضرور رہتا ہوں لیکن تیرے در سے دور رہتا ہوں میں پتھر نہیں ہوں کہ یہ گوارا کروں۔

چوتھا مفہوم یہ ہے کہ ہمیشہ اب میں تیرے دروازے پر پڑا ہوا نہیں ہوں ایسی بے حیائی کی زندگی کس کام کی کہ لوگ مجھپر آوازے کسیں۔ اور طعنے دیں اور میں برابر سنا کروں میں آدمی ہوں پتھر تو ہوں نہیں۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ تیرے در پر میں ہمیشہ نہیں پڑا رہتا ہوں تو یہ غلط سمجھا ہے بلکہ میرا مطلب اس پڑے رہنے سے یہ ہے کہ جیسی زندگی میں گذارتا ہوں باوجود اس کے کہ پتھر نہیں ہوں۔ ہوں آدمی مگر اس پر خاک پڑجائے تو اچھا۔

کیوں گردش مدام سے گھبرا نجائے دل انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اس گردش شبانہ روز سے میرا دل کیوں گھبرا جائے آخر میں پیالہ و ساغر تو ہوں نہیں جن کے لیئے گردش لازمی ہے انسان ہوں یا یہ کہ اس پریشان کن زندگی سے دل کیوں نہ گھبرائے۔ افسوس کہ میں انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں کاش وہی ہوتا۔

ہمارے شعرا کی کچھ ایسی عادت ہو گئی ہے کہ جنکو طبیعت ثانیہ کہیں تو کچھ بیجا نہیں ہے کہ چند ایسے الفاظ جن کے معانی عام ہیں مگر اُن کے مطالب کو محدود و خاص سمجھ لیا گیا ہے گویا انکا ذہن ایک قطب نما بن گیا ہے کہ کہنے والا کچھ کہے مگر انکا ذہن فوراً اُسی طرف کو منتقل ہو جائے گا۔ مثلاً پیالہ و ساغر جہاں شاعر دیکھے گا اُس سے فوراً شراب کا ساغر و پیالہ۔ کل سے فردائے قیامت اور ازل۔ تیشہ سے تیشۂ فرہاد۔ چاہ سے چاہ کنعان محمل سے محمل لیلےٰ وغیرہ وغیرہ مراد ہوں گی اور فوراً انہیں کا قیاس کیا جائے گا۔ اگرچہ کہنے والے بھی ایسے ہی ہیں کہ وہ بھی جب کہتے ہیں تو جو سمجھا جاتا ہے وہی اُن کا ارادہ بھی ہوتا ہے۔ مگر احیاناً قایل اور کچھ بھی کہے تب بھی سامع کو وہی خیال آئے گا۔ چنانچہ یہیں خیال کیجئے کہ پیالہ و ساغر سے ایک سمجھنے والا غیر ذی روح اشیا کو قیاس کرے تو کیا غلط کرتا ہے۔ مگر نہیں سب سے پہلے جو خیال آئے گا وہ یہ ہوگا کہ پیالہ و ساغر سے وہ ساغر مراد ہیں جو دور شراب میں مستعمل ہیں۔

یارب زمانہ مجکو مٹاتا ہے کس لئے لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

اے خدا زمانہ مجکو لوح جہاں سے کیوں مٹاتا ہے میں کوئی حرف مکرر نہیں ہوں جس کے مٹانے کی ضرورت پڑے۔ واضح ہو کہ مولانا نظم صاحب نے مکرر کے معنی غلط کے لکھے ہیں حالانکہ مکرر کے معنی وہ لفظ ہے جو عبارت میں بہ تکرار لکھا جائے یا سہواً لکھا جائے۔ اور غلط وہ ہے جو بے ضرورت ہو۔ اگر بجائے غلط کے مکرر کہا جائے تو اس میں غلط کے معنی پیدا ہو سکتے ہیں مگر غلط کہکر مکرر کے معنی مراد نہیں لیے جا سکتے میری مراد یہ نہیں ہے کہ مولانا اس لفظ کے معنی نہیں جانتے بلکہ صرف بیان معانی میں ایک غلطی ہوئی ہے۔

مفہوم غالب صرف یہ ہے کہ اگر میں ایسا لفظ ہوتا جو غلطی سے مکرر لکھا گیا ہو تو اُس کے مٹانے کی ضرورت تھی۔ یا اُس لفظ کے مٹانے میں کچھ ہرج نہیں ہے جو آیندہ عبارت میں کہیں آئے اور اس کو اس وقت بے ضرورت سمجھا جاوے مگر یہ کچھ بھی نہیں ہے اور پھر بھی مجکو مٹایا جاتا ہے آخر اس کا کیا سبب ہے بخلاف

اس کے اگر تکرر کے معنی غلط کے لئے جائیں تو صرف وہی معنی ہوتے ہین اور کچھ نہین مگر غالب نے تکرر کے معنی غلط کے نہین لیے ہین۔

حد چاہیے سزا مین عقوبت کے واسطے　　آخر گناہگار ہون کافر نہین ہون مین

ہر گناہ کی سزا کی حد چاہیے آخر مین گناہ گار ہون کافر نہین ہون جسکی سزا کی کوئی حد نہو۔ اہل عجم کافر کی (ف) کو عموماً مفتوح نظم کرتے ہین۔ اردو مین بھی عموماً یہ لفظ بفتح فا مستعمل ہے ذوق مرحوم کہتے ہین ؎

اے ذوق دخت رز کو تو ہرگز نہ منہ لگا　　چھٹتی نہین ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

کس واسطے عزیز نہین جانتے مجھے　　لعل و زمرد و زر و گوہر نہین ہون مین

اس شعر کو نعتیہ بھی قیاس کر سکتے ہین، گویا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے کہ آپ کو زر و گوہر سے نفرت ہے مگر مین تو وہ نہین ہون آپکا ایک غلام ہون پھر میرے عزیز نہ رکھنے کی کیا وجہ ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ معشوق سے کہا گیا ہے کہ اگر تم زر و گوہر سے مستغنی ہو تو مجھے کیون نہین عزیز رکھتے مین تمھارا عاشق صادق ہون۔

رکھتے ہو تم قدم مری آنکھون سے کیون دریغ　　رتبہ مین مہر و ماہ سے کمتر نہین ہون مین

اس مین بھی نعت اور معشوق سے خطاب دونون سے مراد ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ سے عرض کیا ہے کہ تم آخر قدم میری آنکھون سے کیون دریغ رکھتے ہو کہ تمنے شب معراج مین مہر و ماہ کو شرف قدم بوسی سے مشرف کیا ہے اور مین رتبہ مین اُن سے کمتر نہین ہون اس واسطے کہ مجھے آپ کی قدم بوسی کی تمنا ہے۔

کرتے ہو مجھکو منع قدمبوس کس لئے　　کیا آسمان کے بھی برابر نہین ہون مین

یعنی شب معراج مین آپ نے آسمان کو قدم بوسی کا اعزاز بخشا تو مین متمنی قدم بوسی ہون کیا رتبہ مین آسمان کی بھی برابر نہین ہون حالانکہ اُس سے بھی بہت

زیادہ میرا رتبہ ہونا چاہیے۔

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا　　وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہین ہون مین

غالب ایک وہ دن تھے کہ ہر کس و ناکس سے تم مایوسی اور غم کے لہجہ مین کہتے تھے کہ مین نوکر نہین ہون مگر اب وہ زمانہ گزر گیا اب بجائے اُس کہنے کے شاہ عالم پناہ کو دعائین دو جنھون نے تم کو اُس غم سے آزاد کیا اور تمھارا وظیفہ مقرر کیا۔

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہو گئین　　خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہو گئین

نیرنگ فلک نے اتنی پیاری پیاری صورتین خاک مین ملائی ہین کہ جن کا حد و حساب نہین وہی صورتین سب تو خیر کیا مگر ہان کچھ لالہ و گل بن کر دنیا مین نمایان ہوئی ہین ہائے لالہ و گل کی خوبصورتی دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ صورتین کیسی پیاری ہون گی جو مٹ گئین بہت ہی خوب شعر کہا ہے۔ ایک اسی قسم کا مضمون ہے جو خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنے یہان باندھا ہے فرماتے ہین ؎

اے گل چہ آمدی ز زمین گو چگونہ اند　　ان رویہا کہ در تہ گرد فنا شدند

مرزا رفیع السودا نے نئی صورت سے کہا ہے ؎

گئے جہان سے کیا کیا ستیزہ رو تہ خاک　　کہ گل عدم سے جو آیا بہت نگار آیا

ایک میرا شعر اسی قسم کا ہے ؎

سنگ و صدف مین لعل و گہر بن کے رہ گئے　　پژمردہ پھول اس چمن روزگار کے

یاد تھین ہمکو بھی رنگا رنگ بزم آرائیان　　لیکن اب نقش و نگار طاق نسیان ہو گئین

اے محو بزم آرائی کبھی تیری طرح ہم کو بھی بزم آرائیونکا شوق تھا اور رنگا رنگ بزم آرائیان کرتے تھے لیکن اب وہی بزم آرائیان طاق نسیان کی زیب و زینت کا کام دے رہی ہین یعنی اب وہ سب بھول گئے بہت ہی خوب شعر کہا گیا ہے۔ اس مین تقابل کی جو صورت دکھائی گئی ہے اُس کا جواب نہین ہے۔

تھین بنات النعش گردون دن کو پردہ مین نہان　　شب کو اُنکے جی مین کیا آئی کہ عریان ہو گئین

بنات النعش سات تارے ہین جن مین سے چار تارے جنازہ اور تین جنازہ کے اٹھانے والے ہین۔ کہتے ہین کہ بنات النعش دن کو آسمان کے پردہ مین نہان تھین مگر شب کو معلوم نہین کہ کیون بے پردہ ہو گئین۔

واضح ہو کہ بنات النعش ابن النعش کی جمع ہے اس سے مراد یہ نہین ہے کہ اہل عرب اُن کو مونث مانتے ہین بلکہ وہ اس قسم کے الفاظ کی جمع یونہی بناتے ہین جیسے ابن المطر سے بنات المطر۔ مگر اہل فارس نے ایسے اکثر الفاظ کو قریب قریب مونث مانا ہے جیسے کہ بدرالدین چاچی کہتے ہین ؎

درسیاست گاہ قہرش برفضائے کائنات قطب لا دائم جنازہ پوصرسہ دختراست

انھون نے لفظی ترجمہ مونث کا مونث کر دیا ہے اسی صورت سے اُن کو اپنی زبان مین لڑکیان نہین کہا ہے مگر ضمیر مونث لائے ہین جس سے پردہ ثابت کیا گیا ہے۔ ظاہرا معشوق کا کوئی مطلب نہین معلوم ہوتا مگر دراصل مصنف نے ایک بات رکھی ہے گویا کہ یہ شعر اپنے معشوق کی طرف خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ بنات النعش بڑی پردہ دار تھین۔ دن کو منہ چھپائے رہین مگر شب کو وقت آیا تو اپنا پردہ اٹھا دیا۔ تم ایسے ہو کہ شب وصل مین بھی مجھ سے شرمائے جاتے ہو۔ حالانکہ یہ کوئی محل نہین ہے۔ یا یہ کہ یہ ایک عاشقانہ چال ہے کہ معشوق سے کہتا ہے کہ دیکھو تم کہتے ہو کہ معشوقون کا کام عریان اور بے پردہ ہونے کا نہین ہے دیکھو بنات النعش دن مین کیسی چھپی ہوئی تھین آخر شب کو اگر بے پردہ ہونے کا محل نہین تو وہ بے پردہ کیون ہو گئین۔

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر لیکن آنکھین روزن دیوار زندان ہو گئین

اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہرا قید مین حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر نہین لی مگر جذب عشق یہ تھا کہ آنکھین دیوار زندان مین روزن ہو گئین جس سے انکا چہرہ ہر وقت دیکھتے رہے یہ کمال جذب عشق کا نمونہ ہے۔ مولانا نظم کہتے ہین کہ آنکھین روزن کی طرح سپید نور ہو گئین۔

سب رقیبون سے ہین ناخوش پر زنان مصر سے ہے زلیخا خوش کہ محو ماہ کنعان ہو گئین

دنیا بھر کے عاشقون کا قاعدہ یہ ہے کہ رقیبون سے ناخوش اور ناراض رہتے ہین مگر برعکس سب کے زلیخا اپنے رقیبون سے خوش ہے جنھین جمال یوسف علیہ السلام نے ایسا محو بنا دیا کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اس پر چاہیے تھا کہ زلیخا کے رشک و حسد کی آگ مشتعل ہو مگر وہ خوش ہوئی کہ خیر اب یہ تو نہ کہین گی کہ ایک غلام زرخرید پر عاشق ہوئی۔

جو ئے خون آنکھون سے بہنے دو کہ ہے شام فراق مین یہ سمجھون گا کہ دو شمعین فروزان ہو گئین

اپنے ناصحون اور دوستون سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ تم اشک خون بہانے سے مجکو منع نہ کرو یہ شب یلدائے فراق ہے اگر یونہی میری آنکھین اشک گرم خون بہاتی رہین گی تو کم از کم مین اُن سے یہ فائدہ اٹھاؤن گا کہ سمجھون گا یہ دو شمعین میرے سیہ خانہ غم مین روشن ہو رہی ہین۔ ادب اردو کے لیئے یہ شعر نہایت اچھا نمونہ ہے۔

ان پریزادون سے لینگے خلد مین ہم انتقام قدرت حق سے اگر حورین ہی وان ہو گئین

اگر یہی پریزاد جنپر ہم عاشق ہین جنت مین حورین بن گئین تو ان کے ظلم و ستم کا ان سے ہم خوب بدلا لین گے۔

یہان یہ بات قابل الذکر ہے کہ (ہو گئین ضمیر مونث ہے) جس سے مراد فرقہ حسین اناث ہے۔ حالانکہ اردو فارسی مین جو شاعری کی بنا رکھی گئی ہے اُس کی قرارداد تو یہ ہے کہ غزل مین نہ معشوق کو مذکر کہا جائے نہ مونث اور یہان مونث کہا گیا ہے جو خلاف ہے مگر اردو شاعری کا کچھ ایسا رنگ بگڑا ہے کہ اس مین ہمارے مسی کنگھی چوٹی کا ذکر موجود ہے اور مشہور شعرا کے دیوان اس سے بھرے پڑے ہین۔ یہ بالکل خلاف ہے اسیوجہ سے افصح الفصحا جناب داغ مرحوم نے جوبن کو پستان کے معنی مین استعمال کرنے سے احتراز فرمایا ہے۔

ہم لکھ چکے ہین کہ ایرانی شعرائے امردون کو اکثر جگہ اپنا معشوق قرار دیا ہے مگر دراصل انکی شاعری کا اصول یہی ہے کہ معشوق نہ مرد ہو نہ عورت اور جو اکثر جگہ امردون کا ذکر اُن کی شاعری مین آیا ہے وہ محض ایک وبائی ہوا تھی جس کا ہم ذکر کر چکے ہین۔

112

غالب مرحوم اگرچہ ایسی باتوں سے اکثر محترز رہے ہیں اور ان کی شاعری قریب قریب اس سے مبرا ہے۔ مگر اس غزل میں ردیف کی مجبوری سے وہ یہ سب باتیں لکھ گئے ہیں جو ان کے واسطے باعث ننگ ہے۔ چنانچہ دوسرے شعر سے بھی یہ پتہ چلتا ہے۔

نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی ہیں — تیری زلفیں جسکے بازو پر پریشاں ہو گئیں

اسی کو سونے میں مزا آتا ہے۔ اسی کا دماغ دنیا کی بہترین خوشبوئیں سونگھتا ہے اسی کا دماغ صحیح ہے اسی کا دماغ عرش اعلیٰ پر ہے۔ اسی کی راتیں آرام کے لئے ہیں اور اسی کی راتیں راتیں کہے جانے کی مستحق ہیں جس کا ہم خواب تو ہے اور جس کے بازو پر سونے کی حالت میں تیری زلفیں بکھری ہوئی ہیں۔

واضح ہو کہ ہندوستان میں مردوں کے ایسے گھنے اور لمبے بال بہت ہی کم ہوتے ہیں جنھیں بے تکلف زلفوں کا خطاب دیدیا جائے اس سے صحیح پتہ بھی چلتا ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ یا دوسرا فرقہ کشمیریوں وغیرہ اور زنانوں ہجڑوں کا ہے بہر حال ایسی اقوام اور ایسے لوگ کم ہیں جنھیں زلف رکھنے کا شوق ہو۔ یہ شعر کیسا ہی ہو مگر بہترین شعر ہے جس سے بہتر اس زمین میں نہیں ہو سکتا۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا — بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخواں ہو گئیں

چمن میں میرے جانے سے گویا مکتب کھل گیا جیسے ہی کہ مجھکو دیکھا بلبلیں نغمہ سنجی میں مشغول ہو گئیں یا اس لیے کہ ان کو بحیثیت عاشقی کے ایک ہم جنس ملا اس کی ان کو خوشی ہوئی۔ یا اس لیے کہ میں ایک دیوانہ تھا مجھکو دیکھکر ان سے بھی جوش خوشی کو روکا نہ گیا۔ یا یہ کہ میں ایسا فصیح البیان تھا کہ میری غزلیں سنکر بلبل نے بھی نغمہ سنجی شروع کر دی اور یہ قاعدہ ہے کہ بلبل آواز خوش کو سنکر زمزمہ کرتی ہے۔ حالی ؎

آب رنگ گلستان عشق اکنون از منست — عندلیباں ہرچہ میگویند مضمون از منست

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار — جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہو گئیں

نگاہ کو لوگ تیر سے تلوار سے استعارہ کرتے اور تشبیہ دیتے ہیں اور تیر یا تلوار کا زخم زبردست اور گہرا ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو غالب کہتا ہے کہ اے خدا اس کی نگاہیں بمنزلہ تیغ یا تلوار کے تھیں اور یہاں تک اچھا تھا کہ اس کے وار سے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یا دل کے پار ہو جاتا اور اس صورت میں جلد تر میرا خاتمہ ہو جاتا۔ مگر میری کوتاہی قسمت (بدقسمتی) یہ رنگ لائی کہ انکو میری جانب سے اتنا کوتاہ کیا کہ انہیں تیر جیسی نگاہوں کو مژگاں بنا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ہر وقت ایک کھٹک میرے دل میں رہتی ہے مگر اب بھی یہ حالت ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ وہ دل کے پار ہوئی جاتی ہیں اور میں مرا جاتا ہوں آخر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی ہیں اور پھر بھی وہ تیر کا کام دے رہی ہیں نگاہوں کا مژگاں ہو جانا ایک لطف رکھتا ہے۔

مولانا نظم لکھتے ہیں کہ مژگاں ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اس قدر میری طرف سے اس کی نگاہیں کوتاہ ہیں گویا مژگاں ہو گئیں۔ مگر باوجود اس کوتاہی کے دل کے پار ہوئی جاتی ہیں۔

یہی مطلب قریب قریب مولانا حسرت نے لیا ہے ؎

دلکو توڑا ابروؤں نے اور گلے کاٹے نہیں — نیچے کوتاہی قسمت سے نشتر ہو گئے

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے — میری آہیں بخیۂ چاک گریباں ہو گئیں

بار بار میری آہوں نے زور کیا اور ابھرنا چاہا۔ لیکن میں نے ان کو ابھرنے نہ دیا اور ضبط سے کام لیا۔ اسی وجہ سے میری آہیں میرے سینہ میں ایسی پیچیدہ ہو کر رہ گئیں جیسے رشتۂ بخیہ گر بار بار ابھر کر بخیہ کی صورت میں منتقل ہو جاتا ہے میرے نزدیک آہوں کا ابھرنا اور رشتۂ بخیہ سے جو بار بار ابھرتا ہے تشبیہ دیکر بخیہ کی صورت میں منتقل ہونا ایک تشبیہ بدیع اور نیا مضمون ہے جس کا حاصل یہ ٹھہرتا ہے کہ ضبط کی وجہ سے میں نے اپنی مجنونانہ حالت کو بخیہ کی حالت میں منتقل کیا یعنی ضبط کیا کہ آہیں سینہ میں رہیں اور اسی ضبط سے یہ نتیجہ نکالا کہ چاک گریباں کو بخیہ کیا۔ چاک گریباں سینہ پر ہوتا ہے اور آہ کا مقام بھی

ہوجاے شاعرانہ سینہ قرار دیا آہ کے ضبط سے اُدھر بخیہ ہوئی اور اُدھر چاک گریبان مین بخیہ ہوگئی ایک لطیف نکتہ اس مین یہ بھی پیدا ہوگیا ہے کہ چاک گریبان (جس سے غلطی سے صرف گریبان ہی مراد لیا جاتا ہے) پیراہن کے لئے ضرور رہی اور اُس کاسی دینا ایک حرکت مجنونانہ ہے جس سے یہ حاصل نکلا کہ آہون کو بمقتضاے ضبط مین نے روکا مگر اُس سے بھی جنون کو ترقی ہوئی۔ غالباً یہ شعر بلاغت کا ایک بے مثل نمونہ ہے جس مین غور کیجئے تو کئی لطیف معانی پیدا ہوتے ہین مگر مولانا نظم انصاف کی گردن پر کند چھری پھیر کر فرماتے ہین۔ اس شعر مین بار بار آہ کے اُبھرنے کو اور بار بار ضبط کرنے کو رشتہ بخیہ گر کی حرکت سے تشبیہ دی ہے یعنی متحرک کی متحرک سے تشبیہ ہے اور وجہ شبہ حرکت ہے لیکن آہ کے لیے ایسی حرکت محض ادعاے شاعرانہ ہے اس سبب سے یہ تشبیہ ویسی بدیع نہین ہے جیسے اور شعر تشبیہ متحرک کے گذر چکے ہین۔ اور باعتبار مضمون کے شعر بے معنی ہے فارسی و اردو کے شعرا آنکھ بند کرکے ایسے مضمون کہا کرتے ہین یہان بخیہ اور سینہ مین جو ضلع بول سکے ہین لطف سے خالی نہین ہے۔

وان گیا بھی مین تو انکی گالیونکا کیا جواب
یاد تھین جتنی دعائین صرف درباں ہوگئین

وان بروزن فع۔ متروک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مین بزم مین پہونچ بھی گیا تو آخر اس کی گالیون کا کیا جواب دونگا۔ کیونکہ جس قدر دعائین اُسکی گالیان کھاکر اُن کے مقابلہ مین اس کو دینے کے لئے لایا تھا وہ سب دربان کو دے چکا کہ اُسنے مجھے بزم مین جانے کی اجازت دی۔ یا اجازت لینے کے لئے اس کو اتنی دعائین دینی پڑین کہ اب کوئی دعا یاد نہین رہی۔

ہمارے شعرا کی عادت ہوگئی ہے کہ سنگدلی کے جتنے الفاظ ہین وہ سب معشوق کے لیے صرف کیے جاتے ہین۔ اور جتنے دنیا بھر کے عیب ہوتے ہین وہ سب کا مرتکب عاشق کو قرار دیتے ہین۔ جیسے کہ ایک جگہ سید انشا فرماتے ہین ؎

؎ خیال کیجئے کیا آج کام مین نے کیا
جب اُسنے دی مجھے گالی سلام مین نے کیا

ہم اس بحث پر اور کچھ لکھنا قریب قریب بیکار سمجھتے ہین مگر اتنا ضرور عرض کرین گے کہ ایسے بے تہذیب اور لا دشنہ معشوق سے پرہیز واجب ہے۔

جان فزا ہی بادہ جسکے ہاتھ مین جام آگیا
سب لکیرین ہاتھ کی گویا رگ جان ہوگئین

جس کے ہاتھ مین جام شراب آگیا۔ وہ اُس کے لیے جانفزا ہے اُس کے ہاتھ کی لکیرین گویا رگ جان ہوگئین اور ظاہر ہے کہ رگ جان سے حیات مستعار وابستہ ہے۔ بقول مولانا نظم گویا کا لفظ اس شعر کی جان ہے جو مبالغہ کو حد سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مبالغہ حد سے گذر جانے پر خلاف فصاحت ہوجاتا ہے۔

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہوگئین

ہم توحید کے قائل ہین اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم سب رسوم وغیرہ اور تمام ملتوں کو ترک کرکے اوسی ایک کی طرف متوجہ ہوجائین جیسے جیسے ملتون کو مٹاتے جائین گے وہ ہمارے ایمان کے اجزا بنتی جائینگی۔ یعنی ہماری قوت ایمان کو ترقی ہوتی ہوجائیگی۔ ملتون سے مراد دیگر ملل جن سے تفرقہ پڑے۔ یعنی رسوم وقیود کو جسقدر مٹائینگے اوسی قدر ہمارے مسلک کو تقویت پہونچتی جائیگی اور توحید کو زور ہوگا۔ واحد وہ ہے۔ جو جہات طول عرض عمق۔ تغیر وغیرہ سب سے مبرا و منزہ ہو یعنی ہم کہتے ہین کہ خدا کوئی سمت کوئی جہت کوئی طول کوئی عرض کوئی تغیر نہیں رکھتا مرئی نہین غیر مرئی نہیں غرض جسقدر یہ دیگر ملل مٹیں گے اوسیقدر واحد کی صفت پر روشنی پڑیگی۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلین مجھ پر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

جب انسان کو رنج وغم کی عادت ہوجاتی ہے تو رنج مٹ جاتا ہے۔ گویا العادت کالطبیعۃ الثانیہ۔ اسی طرح دیکھ لیجئے کہ مجھپر اتنی مشکل پڑین کہ اب وہ مشکلین مشکلین نہین رہین آسان ہوگئین۔

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان ۔۔۔ دیکھنا ان بستیونکو تم کہ ویران ہوگئین

یہ شعر بہت ہی بلیغ ہی جس مین متفرق معانی نکلتے ہین ۔ یعنی اگر غالب اسیطرح روتا رہا تو یہ بستیان ویران ہو جائین گی ۔ سیلاب اشک سے ۔ یا رونے کی تاثیر سے ۔ یا یہ کہ سننے والون سے میرے نالے نہ سنے جائین گے اور سب بستی اور مکانون کو چھوڑ کر چلے جائین گے ۔ یا یہ کہ ۵ در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را ۔ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را ۔ کا مضمون ہوگا ۔

اس شعر کا لفظ لفظ قابل داد ہے ۔ یون ہی گر روتا رہا ۔ یعنی جیسے زور سے اب روتا ہے ۔ اس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ اول تو امید نہین ہے کہ اس طرح آدمی کچھ زمانہ تک رو سکے ۔ یا یہ کہ اس طرح ہم کو کون رونے دے گا یہان سے اس کو نکالدین گے یا یہ کہ ان نالونکے سننے کے لئے پتھر کا دل فولاد کا کلیجہ چاہیے اون سے یہ کب برداشت ہونگے وہ آپ اکر منا لین گے ۔ یا یہ کہ یونہی گر روتا رہا ۔ یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا ۔ یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوسکی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر ۔ اگر یونہی روتا رہا یعنی یونہی معمولی طریقہ سے بھی اگر روتا رہا ۔ یونہی یہ پہلو بھی پیدا کرتا ہے کہ اگر تم اوس کو اوس کی خواہش کی موافق نہین رونے دیتے تو خیر ۔ اگر یونہی روتا رہا جیسے کہ تم نے اسکو اجازت دی ہے ۔ ایسے ہی اہل جہان سے مراد صرف جہان دنیا ہی نہین ہے بلکہ عالم بالا بھی کہا جا سکتا ہے یعنی اے ساکنان عالم بالا اسی صورت سے ان بستیون مین جو اسم اشارہ (ان) صرف کیا گیا ہے وہ بہت بلیغ ہے ان بستیون سے صرف یہی بستیان مراد نہین ہین جہان غالب ہے بلکہ وہ تمام دنیا کی بستیون کو کہتا ہے ۔ اور بتاتا ہے کہ دنیا مین جو تم یہ بستیان آج دیکھتے ہو ۔ یہ ویران ہو جائیگی ۔ ویران مین بھی ایک خاص بات ہے کہ اس جگہ کو کہتے ہین جہان پہلے آبادی ہو ۔ اسیطرح دیکھنا ان بستیون کو تم ۔ یعنی ہم تو کہان ہونگے ۔ یا ان بستیون کے لوگ تو کہان ہونگے تم دیکھنا ۔

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہین ۔۔۔ یعنی ہماری جیب مین اک تار بھی نہین

کہتا ہے کہ بت پرستی نے ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیا ہے کہ مین نے تمام

گریبان کو چاک کر دیا اور اب ایک تار بھی گریبان مین باقی نہین رہا ۔ جس سے لوگون کو زنار کا دہوکہ ہو اور مذہب بت پرستی میں مجھے شامل سمجھین ۔

دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے ۔۔۔ دیکھا تو ہم مین طاقت دیدار بھی نہین

ہم نے اپنے دل کو تمنائے دیدار مین مٹا دیا ۔ مگر اب دیکھتے ہین تو ہم مین اتنی بھی طاقت باقی نہین ہی کہ اس کو دیکھ سکین دیکھا صیغہ ماضی کے معنے بھی دیتا ہے اور یہ بھی کہ خیال جو کیا ۔

ملنا ترا اگر نہین آسان تو سہل ہی ۔۔۔ دشوار تو یہی ہی کہ دشوار بھی نہین

اگر تیرا ملنا سہل نہین ہی تو دشوار ہونا چاہیے ۔ اور دشوار کی یہ صفت ہے کہ وہ ممکن الوقوع ہو ۔ مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ تیرا ملنا دشوار نہین بلکہ ناممکن الوقوع ہے ۔ گویا تو ہمکو کسی صورت سے نہیں مل سکتا یا یہ کہ اگر تیرا ملنا آسان نہیں یعنی دشوار ہے تو یہ تو ایک آسان بات ہے ہم صبر کر سکتے ہین اور دل کو سمجھا بجھا سکتے ہین مگر مشکل یہ ہے کہ تو غیر سے ملتا ہے اوسکے واسطے تیرا ملنا دشوار نہین ہے اسواسطے ہمکو صبر بھی نہین آتا ۔

بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہی اور یہان ۔۔۔ طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین

ہمسے بغیر عشق کیے رہا نہین جاتا ۔ یا عشق کسی شے کا ضروری ہوتا ہے اور آزار خاصۂ عشق ہے مگر ہم مین لذت آزار اوٹھانیکی طاقت نہیں اور عمر بغیر اس کے گذر نہین سکتی سخت مصیبت ہے ۔

شوریدگی کے ہاتھ سے ہی سر وبال دوش ۔۔۔ صحرا مین اے خدا کوئی دیوار بھی نہین

جنون کا جوش ہے اور اپنا سر مجھے بار معلوم ہوتا ہے ۔ اے خدا کیا کرون کہان جاؤن کیا علاج کرون کوئی دیوار بھی صحرا مین موجود نہین ہے کہ اپنا سر پھوڑ لیتا اور اس بار غم سے نجات حاصل کرتا ۔ ایک جگہ کہتے ہین ۔

کہا تک روؤن اوسکے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت مین یا رب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

گنجایش عداوت اغیار اک طرف
یان دل مین ضعف سے ہوس یار بھی نہین

دشمنون کی عداوت کی گنجایش کا تو خیر ذکر ہی فضول ہے۔ یان دل اتنا ضعیف ہو گیا ہے کہ اب ہوس یار بھی اوس مین باقی نہین مصرع ثانی نہایت بلیغ ہے۔ اس سے یہ مراد نہین ہے کہ یار کی محبت اب باقی نہین رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ۔ اب دل سے آرزوے وصال یار برداشت نہین ہو سکتی۔ اور وہ اتنی زیادہ ہے کہ میرے دل مین سما نہیں سکتی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی عاجز ہوتا ہے تو ہر وقت چاہتا ہے کہ میری آرزو کسی صورت سے پوری ہو جاے

ڈر نالہاے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نواے مرغ گرفتار بھی نہین

میری رات دن کی گریہ وزاری سے ڈر۔ خدا کا خوف کر میرے نالے کچھ مرغ گرفتار کی آواز نہین ہین کہ اون کا اثر ہی نہو۔ نہین ان کا اثر ہونا بہت ممکن ہے۔

دلمین ہے یار کی صف مژگان سے روکشی
حالانکہ طاقت خلش خار بھی نہین

حالانکہ اب میرا دل اسقدر ضعیف ہو گیا ہے کہ اسمین ایک خلش خار کی بھی طاقت نہین ہے اور اسکے صدمہ اور دکھ کو بھی یہ برداشت نہین کر سکتا۔ مگر مژگان یار سے اوسی صورت سے مقابلہ کے لیے تیار ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

ایسی سادگی پر اور اس بچپن پر کون نہ مر جائے کہ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے آئے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین تو اس صورت مین گویا یہ سادگی بجائے تلوار کے ہے۔

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت مین بارہا
دیوانہ گر نہین ہے تو ہشیار بھی نہین

ہم نے اسد کو ظاہر و باطن مین بہت سی مرتبہ دیکھا ہے تم جو کہتے ہو کہ وہ دیوانہ

نہین ہے تو اگر وہ دیوانہ نہین ہے تو کچھ ہوشیار بھی نہین ہے۔

نہین ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن مین
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن مین

چونکہ کوئی زخم میرے جسم کا ایسا نہین ہے جسمین ٹانکے دیے جا سکین اسواسطے بخیہ گر کی سوئی میرے حال پر روتی ہے۔ اور ناامیدی کے آنسوؤن کا تار اوس کی آنکھ مین رشتہ بن گیا ہے۔ چونکہ متواتر روتی ہے اسواسطے آنسوؤن کا تار بنا۔ اور اسکو رشتہ کہا گیا۔

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن مین

مین اسقدر رویا کہ میرے آنسوؤن کے سیلاب نے میرے گھر کو تباہ کر دیا اور اب روزن مین کف سیلاب روئی کی طرح موجود ہے جس سے لذت تماشا و سیر بھی باقی نہین رہی ہے۔

ودیعت خانہ بیداد کاوشہاے مژگان ہون
نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خون تن مین

میرے ہر قطرہ خون پر معشوق کا نام کھدا ہوا ہے۔ اور یہ بیداد کاوشہاے مژگان نے کھودا ہے اسی لئے اب میرا جسم جسم نہیں ہے بلکہ بیداد کاوشہاے مژگان کا امانت خانہ بن گیا ہے۔ دیکھئے اسی مضمون کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ایک جگہ پہلے ادا کیا ہے فرماتے ہین ؎

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب
خون جگر امانت مژگان یار تھا

بیان کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی
شب مہ ہو جو رکھدین پنبہ دیوارون کے روزن مین

میرے سیہ خانہ کی ظلمت کا حال کس سے بیان ہو سکتا ہے یہ لت ہے کہ اگر اس کی دیوارون کے روزنون مین پنبہ رکھدے تو اوس سے بھی چاندنی پھیل جائے یعنی اگرچہ وہ ایسا سامان ہے جس سے تاریکی بڑھ جانے کا احتمال ہے مگر ظلمت کی حد یہ ہے کہ اوس ایک ادنی سی سپیدی سے بھی ماہ کا اثر پیدا ہو جاتا ہے یہی مضمون ہے۔

۵ کیا کہون تاریکی زندان غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جسکے روزن مین نہین

نکوہش مانع بیربطی شور جنون آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن مین

میرے احباب جو وحشت مین مجھے ملامت کرتے ہین اوس سے میرے شور جنون کی بیربطی جاتی رہی ہے اور گویا اون کا ہنسنا یعنی خندۂ دندان نما میرے جیب و گریبان کےلیے بخیہ کا کام دے رہا ہے۔

ہوئے اُس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پرافشان جوہر آئینہ مثل ذرّہ روزن مین

اُس مہروش کے عکس کے سامنے جوہر آئینہ اسطرح سے پرافشان ہوئے اور اڑنے لگے جیسے کہ ذرے آفتاب کی شعاع سے روزن مین اڑنے لگتے ہین۔

نجانون نیک ہون یا بد ہون پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہون تو ہون گلخن مین جو خس ہون تو ہون گلشن مین

مین یہ تو نہین کہہ سکتا کہ مین اچھا ہون یا برا ہون مگر یہ ضرور جانتا ہون کہ جیسا مین ہون ویسی صحبت مجھے میسر نہین ہے اگر مین گل ہون تو اس صحبت کو جو مجھے حاصل ہے مین گلخن سمجھتا ہون۔ اور اگر خس ہون تو گویا گلشن میں ہوں جو اسکی جگہ نہین بہرحال صحبت میرے حسب حال نہین ہے۔
گلخن و گلشن کے ایسے ہی مضمون مختلف طریقون سے مصنف نے کئی جگہ لکھے ہین۔ جو گذر چکے۔

ہزارون دل دئیے جوش جنون عشق نے مجھکو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خون تن مین

سودائے جنوں کی وہ زیادتی ہوئی کہ میرا ہر قطرۂ خون تن مین سویدا بن گیا۔ اور اس صورت سے گویا مجھے سیکڑون دل مل گئے گویا جسقدر قطرۂ خون میرے جسم میں ہین وہ سب دل ہین۔ اور ہر دل میں سودائے جنون بھرا ہے اور ہر دلمین معشوق کی یاد ہے یہ شعر بیت الغزل ہے۔

اسد زندانی تاثیر الفت ہائے خوبان ہون
خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن مین

اے اسد مین معشوقون کی تاثیر الفت کا اسیر ہون اونکا ہاتھ جو میری گردن مین مہربانی سے پڑا ہے وہ میری گردن کے لئے طوق بن گیا ہے۔ تاثیر الفت کا لفظ خصوصًا قابل داد ہے جس سے خم دست نوازش کو طوق بنا لیا گیا ہے۔

مزے جہان کے اپنی نظر مین خاک نہیں
سوائے خون جگر سو جگر مین خاک نہیں

دنیا کے انواع و اقسام کے کھانوں میں ہمین کچھ لذت نہین آتی سوائے جگر کے خون کے کوئی شے ہمکو مرغوب نہین ہے اور حال یہ ہے کہ جگر مین اب کچھ باقی نہین رہا۔ (سو) اب قریب قریب متروک ہو گیا ہے۔

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لیجائے
وگرنہ تاب و توان بال و پر مین خاک نہین

مگر بمعنی شاید یعنی ہمارے بال و پر مین تو طاقت باقی نہین رہی ہے کہ اڑ کر گلستان یعنی کوچۂ دلدار تک پہونچین شاید مرنے پر ہماری خاک کو ہوا اڑا کر وہان لیجائے۔

یہ کس بہشت شمائل کی مد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہگذر مین خاک نہین

یہ کون بہشت شمایل آج سیر باغ کے لئے آتا ہے کہ سوائے پھولون کے رہگذر میں اور کچھ نظر نہیں آتا۔

بھلا اُسے نہ سہی کچھ مجھی کو رحم آتا
اثر مرے نفس بے اثر مین خاک نہین

اگر اُسے میرے اوپر رحم نہ آیا تھا تو کچھ مجھی کو اپنے حال زار پر ترس آتا کہ اُس کے عشق سے باز آتا اور اس گریہ وزاری سے ہاتھ اُٹھاتا۔ مگر یہان یہ بھی نہیں۔ نہ وہ مانتا نہ دل مانتا ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہین کہ نفس کو بے اثر کہکر پھر کہنا کہ اثر نہین اس کی تاویل باعتبار معنی کے مشکل ہے۔ محاورہ مین ٹھیک ہے۔ میرے نزدیک مولانا کی تقریر بھی غالب سے کم نہین کہ غلط بھی فرمایا ہے اور پھر درست بھی کہا ہے حالانکہ غالب نے توصرف

یہی کہا ہے کہ میرے نفس مین اثر نہین بے اثر ہے۔

خیال جلوۂ گل سے خراب ہین میکش　　شراب خانے کی دیوار و در مین خاک نہین

شراب خانہ کی شراب میکش سب ختم کر چکے اور اب وہان خاک بھی باقی نہین ہے مگر نشہ کی ترنگ مین آنکھوں مین سرسون پھولی ہوئی ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ فصل بہار آرہی ہے اور اس کا خیال کہ اس موسم مین بغیر شراب کے کیونکر گذارہ ہوگا۔ اون کو خراب کئے ہوئے ہے اور حال یہ ہے کہ میخانہ مین کچھ باقی نہین ہے وہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔

یا لوگ سمجھتے ہونگے کہ میخانہ کو دیکھکر میکش مست ہین یہ خیال غلط ہے میخانہ مین تو نقش و نگار کجا دیوار و در مین جان بھی باقی نہین ہے۔ اس سے کیا مست ہونگے مگر جلوۂ گل کے خیال نے اُن کو مست کر رکھا ہے۔

ہوا ہون عشق کی غارتگری سے شرمندہ　　سوائے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

عشق کی لوٹ مار اور دستبرد سے مین بہت ہی محجوب ہون کیونکہ گھر مین سوائے حسرت تعمیر کے کچھ نہین کہ وہ اُسے خراب کرے خاک نہین اسجگہ ایک خاص لطف رکھتا۔ ایک جگہ فرماتے ہین۔

شعر گھر مین تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا　　وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

ہمارے شعر ہین اب صرف دل لگی کے اسدؔ　　کھلا کہ فائدہ عرض ہنر مین خاک نہین

ہمارے شعر کیا ہین ایک دلگی ہی۔ بس زمانہ کی ناقدری سے معلوم ہوگیا کہ ہنر کے ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہین ہے۔ غالبًا یہ غزل اُس زمانہ کی کہی ہوئی ہے جب مشکل پسندی کے سبب سے لوگون نے غالب پر بے معنی اور مہمل گوئی کا الزام لگایا تھا۔ اور بعض ظرافت مابوں نے یہ قطعہ کہکر عین مشاعرہ مین غالب کے سامنے پڑھا تھا مجھے اچھی طرح یاد نہین مگر ایک شعر لکھتا ہون۔

شعر کلام میر سمجھے اور زبان میرزا سمجھے　　مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

مگر غالب مرحوم نے اگرچہ اپنا رنگ شاعری تبدیل کر دیا پھر بھی سبکو یہ جواب دیکر ٹالدیا تھا۔

شعر نہ ستایش کی تمنا نہ صلہ کی پروا　　گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

یا شعر مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سن سن کے اُسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہین فرمایش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیون　　روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمین ستائے کیون

اس زمین مین دیگر شعرا نے بھی غزلین کہی ہین مگر سچ یہ ہے کہ جیسے غالب کے اشعار ہین ان کی گرد کو بھی دوسری غزلین نہین پہونچین یہی ایک مطلع ہے جسپر دیوان کے دیوان صدقے کئے جاسکتے ہین۔

گویا معشوق عاشق کے رونے سے تنگ آکر جبر و تعدی کے ساتھ اس کو رونے سے باز رکھنا چاہتا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ آخر اس رونے کا کوئی سبب بھی ہے اور عاشق کہتا ہی کہ ہم بھی اپنے سینہ مین دل رکھتے ہین کوئی پتھر نہین ہی جو تم یون ستاؤ اور وہ بھر نہ آئے۔ ہم تو ہزار بار روئین گے کوئی کیون ہمارا دل دکھائے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی مجبور و بیکس ہو کر زبان کھولتا ہی تو ظالم کو قابل خطاب نہین سمجھتا۔ اور بار بار یہی کہتا ہے کہ کوئی کیون ایسا کرے۔ کوئی کیون ہم سے بولے۔ کوئی ہمین کیون ستائے۔ اور یہ خطاب سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔

دیر نہین حرم نہین در نہین آستان نہین　　بیٹھے ہین رہگذر پہ ہم غیر ہمین اٹھائے کیون

اردو کی شاعری ایسے ایسے اشعار پر جسقدر بھی ناز کرے کم ہی واقعی اگر چاہین تو اسکے نکات بیان کرنا دشوار ہے دیکھئے شاعر کہتا ہے کہ تو ہمکو مسلمان سمجھے تو دیر سے نکلوا سکتا ہے۔ کافر اور رند مشرب کہکر کعبہ مین ہمکو نہ جانے دے۔ مجھکو ہمسے نفرت ہے اپنے در پر نہ بیٹھنے دے ہماری پیشانی تیرے سجدے کے قابل نہین ہے تو اپنے آستان پر نہ آنے دے یا یہ کہ ان سب جگہون سے تو نے مجھکو نکلوا دیا تو اب جب میرا کوئی دنیا مین ٹھکانا باقی نہین رہا ہے مین سر راہ آکر بیٹھا ہون۔ مگر غیر مجھکو یہان سے بھی اُٹھا دینا چاہتا ہے

آخر کیوں۔ دیکھئے اسمین مصنف نے بجائے کسی دوسرے لفظ کے رہگذر پسند کیا جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ تباہ ہوکر بھی ہماری تمنائے دیدار نہ گئی۔ گھر اجاڑ کر بیٹھے بھی تو رہگذر پر بیٹھے جہان سے معشوق کا گذر بھی ممکن ہے۔ اور وہ اسقدر بیوفا ہے کہ ان سب جگھون سے نکلوا کر بھی اسکو چین نہ آیا۔ اور اتنک ویسا ہی دشمن ہے کہ غیر کے ہاتھون مجھے رہگذر سے بھی اٹھوتا ہے بندش وغیرہ چست ہونے کے سوائے شعر مین بڑی خوبی ہے کہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بیکس نہایت عاجزانہ مگر زور کے لہجہ مین ایک زبردست سے کچھ کہہ رہا ہے یا کسی سے اپنا انصاف چاہتا ہے۔

جب وہ جمال دل فروز صورت مہر نیمروز — آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ مین منہ چھپائے کیون

جب اوسکا جمال آفتاب نصف النہار کی طرح ہے جسکے دیکھنے کی بینائی مین طاقت نہین پھر آخر یہ پردہ مین منہ چھپانے سے اوسے کیا فائدہ ہے۔ یا یہ کہ جب اسکو کوئی دیکھ ہی نہین سکتا تو اسکا بے پردہ ہونا برا نہین ہے۔

مولانا نظم فرماتے ہین جیسے وہ پردہ مین چھپا ہوا نہین ہے بلکہ آشکارا ہے اور اسکے کثرت ظہور نے نگہ و نظر اوسکا احاطہ نہین کرسکتی جس طرح آفتاب کی کثرت نور سے نگاہ قاصر ہے۔

دشنۂ غمزہ جانستان ناوک ناز بے پناہ — تیرا ہی عکس رخ سہی سامنے تیرے آئے کیون

تیرے غمزہ اور ناز کے تیر و خنجر جانستان اور بے پناہ ہین تیرے سامنے ہرگز کسی کو آنا نہ چاہئے اگرچہ وہ تیرا عکس ہی کیون نہو۔ ممکن ہے کہ وہ بھی زخم کھا جائے نکتہ یہ ہے کہ تیرا عشق ایسی شئے نہین ہے کہ جو آدمی ہی تک محدود ہو بلکہ ہر چیز پر خواہ وہ مادی ہو یا نہو سب پر اثر کر سکتا ہے۔

مولانا نظم صاحب اسکی شرح مین فرماتے ہین سبب یہ ہے کہ تیرے سامنے بھی کسی کا آنا اچھا نہین کوئی غیر آیا تو مارا پڑا خود عکس تیرا اگر آئینہ مین بھی دشنہ و ناوک لئے ہوے تیرے سامنے آیا تو تیرا کیا حال ہوگا۔

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

حیات اور غم در اصل جدا جدا نہین ہین بلکہ یہ دونون ایک ہی شئے ہین لہذا جب تک

آدمی کی حیات ہے غم بھی موجود ہے اور جب یہ نہ ہوگی غم بھی نہ ہوگا۔ قید اور بند کا تقابل خصوصیت سے قابل داد ہے۔

حسن اور اسپہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم — اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیون

میرے معشوق مین جیسا حسن ہے ویسا ہی حسن ظن بھی ہے اسکو اپنے حسن عفت پر اعتماد ہے اسی سے غیر کی جو بوالہوس ہے شرم رہ گئی۔ یعنی رقیب نے اظہار عشق کیا تو اسے بغیر امتحان یقین آگیا اور آزمانے کی ضرورت نہ سمجھی۔ کیونکہ اسکو حسن پر ناز تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ ایسا کون ہے جو مجھے عاشقانہ نظر سے نہ دیکھے گا دوسرے یہ کہ اسنے رقیب کو دخل دیا اور عاشق بنایا۔ یہ دونون باتین اوسی حسن ظن کی بدولت عمل مین آئین جو اس کو اپنے حسن و عفت پر تھا۔ اگر اسکو خود پر بھروسہ اور حسن پر حسن ظن نہوتا تو وہ بوالہوس کے عشق اور نیت کی آزمائش ضرور کرتا۔

وان وہ غرور عز و ناز یان یہ حجاب پاس وضع — راہ مین ہم ملین کہان بزم مین وہ بلائے کیون

اسمین لف و نشر غیر مرتب ہے۔ یعنی اسکو غرور و ناز ہے اسواسطے وہ ہمکو بلاتا نہین اور ہم کو اپنی وضع کا پاس اور حجاب و غیرت مانع آتی ہے اسواسطے ہم وہان جا نہین سکتے نہ کہین پاس وضع اور حجاب کی وجہ سے ہم بازار وغیرہ مین نکلتے ہین کہ وہ ہمکو راستہ مین ملجائے۔

ہان وہ نہین خدا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی — جسکو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی مین جائے کیون

اسمین یہ تصویر کھینچی گئی ہے۔ کہ لوگ ایک عاشق دلدادہ کو سمجھا رہے ہین کہ کمبخت ایک بے وفا کے عشق مین تو اپنا دین و دل کھو بیٹھا۔ اب بھی باز آ۔ تو معشوق کی برائی سن کر عاشق کو تاب باقی نہین رہی اور وہ بگڑ کر جواب دیتا ہے کہ اچھا جائیے وہ بیوفا ہی سہی جسکو اپنا دین و دل عزیز ہو وہ کیون اسکی گلی مین جائے کوئی وہ کسی کو بلانے تو آتا نہین ہے

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہین — روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیون

غالب اگر مرگیا تو مرجانے دیجئے اوسکے بغیر کون سے کام بند ہین وہ اگر زندہ تھا

توکون سے کام کرتا تھا اور اب نہین ہے تو کیا بگڑ گیا۔

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں — بوسہ کو پوچھتا ہون مین منہ سے مجھے بتا کہ یون

میرا یہ سوال ہے کہ بوسہ کیونکر لیتے ہین تو اسکے جواب مین تجھے بوسہ لیکر منہ سے بتانا چاہئے غنچہ دور سے کیون دکھاتا ہے کہ بوسہ لینے کی صورت ہے۔

دوسرے معنے یہ ہین کہ مین نے تم سے بوسہ لینے کی صورت دریافت کی ہے تو اسپر خاموش کیون کھڑے ہوئے ہو یعنی خموشی دہن کو غنچہ ناشگفتہ کہا گیا ہے۔

پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے — اسکے ہر اک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یون

مین اس سے یہ فضول سوال کیون کرون کہ تم دل کیونکر لیتے ہو۔ جب مین دیکھتا ہون کہ اسکے ہر ایک اشارہ سے اس ادا کا اظہار ہوتا ہے اور ہر ایک اشارہ بزبان حال یہ جواب دے رہا ہے کہ دیکھ دل یون لیتے ہین۔

رات کیوقت مے پیے ساتھ رقیب کو لئے — آئے وہ یان خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یون

میرے نزدیک شعر مین لف و نشر مرتب ہے۔ یعنی رات کیوقت خدا کرے کہ مے پیئے ہوے وہ یہان آئے مگر خدا نہ کرے کہ رقیب کو ساتھ لئے ہوئے یہان آئے۔

مولانا نظم اس شعر کے یہ معنے لکھ کر کہ خدا کرے وہ آئے لیکن خدا نہ کرے کہ یون آئے کہ رات کیوقت مے پئے الخ

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے — سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یون

مین نے جو اس سے پوچھا کہ غیر سے رات کیا بنی تو وہ میرے سامنے آ بیٹھا۔ اور بتایا کہ یون ہم اور وہ بالمقابل بیٹھے رہے اور لطف صحبت اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ اس سوال کے سنتے ہی غصہ سے وہ میرے سامنے آن بیٹھا اور کہا کہ اب ہم آپ کے پاس آ گئے ہین تو آپ یون چھیڑ نکالین گے اور یون ہمین ستائینگے یون گستاخی کرینگے۔ آن بیٹھنا اب بھی اگرچہ مستعمل ہے مگر اکثر فصحا نے ترک کر دیا۔

بزم مین اسکے روبرو کیون نہ خموش بیٹھیے — اسکی تو خامشی مین بھی نکلے ہے یہ ادا کہ یون

ہم اسکے سامنے محفل مین خاموش کیون نہ بیٹھے رہین اوسکے چپ رہنے کا یہی منشا ہے کہ تو بھی یون ہی خاموش بیٹھا رہ

مینے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی — سنکے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یون

اسمین ستم ظریفی کا نقشہ علی وجہ الکمال کھینچا گیا ہے کہ ہمنے جو اس سے یہ کہا کہ بزم ناز مین غیر کا دخل نہ ہونا چاہیئے تو اس نے مجھے بزم سے اٹھا دیا کہ اسطرح۔ اس سے یہ نکتہ پیدا ہوا کہ گو خاطر سے اسنے مجھکو بزم مین بٹھا رکھا تھا۔ مگر دلمین غیر ہی سمجھا تھا جسکا اس کے اس فعل سے ظہور ہوا۔

مجھسے کہا جو یار نے جاتے ہین ہوش کسطرح — دیکھکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یون

مجھ سے جو یار نے کہا کہ ہوش کسطرح اڑ جاتے ہین تو میری بے خودی دیکھ کر ہوا چلنے لگی کہ اسطرح ہوش اڑ جاتے ہین۔ نکتہ یہ ہے کہ میری ہر شئے دشمن ہے۔ اسکے سوال کا جواب دینے کی مجھے نوبت بھی نہ آئی ہوا نے پہلے سے جواب دیدیا۔ یا یہ کہ ہر ایک شئے میرے درد دل سے واقف ہے اور ہر شئے میری حالت پر گواہ ہے۔ یا یہ کہ اسکی ہر چیز مطیع ہے اور اسکے سوال کے جواب کے لئے تیار ہے۔

کب مجھے کوے یار مین رہنے کی وضع یاد تھی — آئینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یون

مین یہ نہ جانتا تھا کہ کوئے یار مین کیونکر رہنا چاہیئے۔ نقش قدم نے مجھ کو بتایا کہ اسطرح سے حیران اور بیکسی کیحالت مین پڑا رہنا چاہیئے۔

گر ترے دلمین ہو خیال وصل مین شوق کا زوال — موج محیط آب مین مارے ہے دست و پا کہ یون

شاید ترے دل مین یہ خیال ہوگا کہ وصل مین شوق کا زوال ہو جاتا ہے۔ تو اسی سے جواب دینے کے لئے موج دریا اپنے سر کو ٹپک رہی ہے کہ کیا یونہی زوال شوق ہو جاتا ہے

یعنی عاشق کو اگر معشوق سے وصال نصیب بھی ہوجاتا ہے تو اضطراب کم نہین ہوتا بلکہ بڑھ جاتا ہی جیسے کہ قطرات جب دریا سے نہ ملے تھے انکو سکون تھا اب دریا سے ملنے پر ادن کی یہ صورت ہوئی کہ بصورت امواج تبدیل ہوکر وہی سر ٹپک رہے ہین اور بزبان حال کہتے ہین کہ کیا یونہی زوال شوق ہوتا ہی مولانا نظم اسکی شرح یون فرماتے ہین کہ اگر مجھے خیال ہو کہ مبداء حقیقی تک پہونچکر کیونکر زوال شوق ہوجائے گا اور کس طرح اتحاد پیدا ہوگا تو موج محیط کو دیکھ وہ بتارہی ہی کہ اسطرح دست و پا مارتے مارتے آخر اتحاد ہوجاتا ہی جو کہ مرتبہ اطمینان و سکون کا ہی۔

مولانا حسرت تحریر فرماتے ہین۔ وصل سے شوق کم ہوجاتا ہی دیکھ کہ موج بحر بھی بزبان حال کہہ رہی ہی موج کی حرکت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصل بحر سے علیحدہ ہوکر کنارے پر پہونچنے کے لئے دست و پا مار رہی ہے غور فرمائیے اور جو معنے صحیح معلوم ہون ادنھین پر عمل کیجئے (مارے ہی) فی زمانہ متروک مارتی ہی مارتا ہی مارتے ہین مستعمل ہی۔

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی　　گفتہ غالب ایکبار پڑھکے اسے سنا کہ یون

جو یہ کہے کہ فارسی شاعری سے اردو شاعری کیونکر بہتر ہوسکتی ہی تو ایک مرتبہ غالب کی اردو شاعری اوسکو سناکہ یون اچھی ہوتی ہی (کیونکر) مستعمل ہی۔ کیونکہ متروک ہی۔

ردیف واؤ (و)

حسد سے دل اگر افسردہ ہی گرم تماشا ہو　　کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارے سے وا ہو

حاسد کی صفات مین تنگ چشمی بھی داخل ہی۔ اور یہ اس لئے ہے کہ وہ اپنے سوائے کسی کو دیکھ نہین سکتا اسکو مصنف کہتا ہی کہ حسد کی وجہ سے تیرے دل مین افسردگی اور چشم مین تنگی پیدا ہوگئی ہے اوسکا علاج یہ ہی کہ دنیا کا تماشہ کر۔ اور بغور ہر شے کو ملاحظہ کر تو ممکن ہی کہ کثرت نظارہ اپنی زیادتی کے سبب سے تیری تنگدلی اور تنگ چشمی کے مرض کو زائل کردے یہ ظاہر ہے کہ بہت سی چیزونکے معائنہ سے وسعت بڑھیگی۔ اور کسی تنگ چیز کو بہت پُر کرینگے تو وہ ضرور کھل جائیگی۔

مولانا نظم فرماتے ہین۔ کہ تجربہ کے بعد تجھے معلوم ہوجائے گا کہ حسد کرنا بے جا ہے

دنیا مین دولت کیلئے کوئی سبب نہین درکار ہی ہر جگہ یہی حال ہی۔

بقدر حسرت دل چاہئے ذوق معاصی بھی　　بھرون اک گوشۂ دامن گر آب ہفت دریا ہو

گنہگار کو فارسی مین تردامن کہتے ہین۔ اسی کی بنا پر یہ شعر کہا گیا ہی کہ اگر ہفت دریا کے گناہ ہون تب میرا ایک گوشہ دامن تر ہوگا تو دامن کا تر ہونا تو بہت دور ہی۔ کیونکہ میرے دل مین گناہونکی حسرت بہت زیادہ ہی دوسرا شعر اسی مضمون کا گذر چکا ہے ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

اگر وہ سرو قد گرم خرام ناز آجائے　　کف ہر خاک گلشن شکل قمری نالہ فرسا ہو

گر میرا سرو قد گلشن مین گرم خرام ناز ہوکر آجائے۔ تو خاک گلشن تک مثل قمری نالہ کرنے لگے خاک کو قمری بوجہ قمری کے خاکستر رنگ ہونیکے کہا گیا۔

کعبہ مین جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہین　　بھولا ہون حق صحبت اہل کنشت کو

اگر مین کعبہ مین جا رہا تو مجھکو طعنہ نہ دو کیا مین بتخانہ والون کی صحبت کو بھول بیٹھا ہی گیا ہون۔ یعنی انکی یاد اب بھی تازہ ہی۔

طاعت مین تا رہے نہ مئے و انگبین کی لاگ　　دوزخ مین ڈالدو کوئی لیکر بہشت کو

مین چاہتا ہون کہ عبادت کسی طمع سے نہو خالصاً لوجہ اللہ ہونی چاہیئے۔ شراب شہد اور بہشت کی طمع سے اگر عبادت کی تو کیا عبادت ہوئی لہذا اچھا ہے کہ کوئی بہشت کو دوزخ مین ڈالدو کہ کوئی طمع نرہے اور جو عبادت ہو وہ بے لاگ ہو۔

ہون منحرف نہ کیون رہ و رسم ثواب سے　　ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو

راہ و رسم ثواب سے ہمارا منحرف ہونا ضروری ٹھہر گیا ہے کہ ہماری تقدیر مین اول ہی سے یہ انحراف لکھا ہی کیونکہ وہ قلم جس سے سرنوشت پیشانی لکھی گئی ہی اُسی پر قط ٹیڑھا لگا ہے۔

غالب کچھ اپنی سعی سے لہنا نہیں مجھے — خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

غالب مجھے اپنی سعی سے لہنا نہیں ہے کسی نہ کسی طرح سے میری کوشش بیکار ضرور ہو جاتی ہے اگر اتفاق سے ملخ نہ کھائے تو بجلی موجود ہے۔

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو — کیجئے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ہم اس خیال سے آزاد ہیں کہ ہمارے ساتھ آپ محبت کیوں نہیں کرتے ہیں۔ اگر آپ کو ہمارے ساتھ یہ منظور نہیں ہے تو عداوت ہی سہی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ع قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے — کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا — ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

ضعف نے مجھ میں کسی بوجھ اٹھانے کی طاقت باقی نہیں رکھی یہانتک کہ اب نقش محبت بھی دل پر بار ہے دوسری جگہ اسی مضمون کو نئی صورت سے کہا ہے۔

ع گنجائش عداوت اغیار اک طرف — یاں دل میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ — ہر چند بر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

اگر تم مجھ سے غیر کی برائیاں کرتے ہو مگر مجھے اسکا گلہ ہے کہ تم اس ملعون کا میرے سامنے تذکرہ کیوں کرتے ہو۔ میرا ایک شعر اسی مضمون کا ہے۔

ع کرتے ہیں شب وصل وہ دشمن کی برائی — میں کہتا ہوں آخر وہ تمہیں آہی گیا یاد

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا — یوں ہو تو چارۂ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

لوگ کہتے ہیں کہ ہر مرض کی دوا پیدا ہوئی ہے مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو غم عشق کا علاج کیوں نہ ہو شعرا غم عشق کو لا علاج کہا کرتے ہیں

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ — اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

میری بے کسی نے میرا معاملہ کسی غیر سے نہیں ڈالا۔ یہانتک کہ میں اگر خجالت بھی اٹھاتا ہوں تو دوسرے سے خجالت بھی منظور نہیں ہے اور یہ انتہائے غیرت ہے۔

یا یہ کہ یہ تو ظاہر ہے کہ اور کسی سے مجھے کچھ اور نفع حاصل نہ ہوتا تو خجالت تو حاصل ہوتی مگر میری بے کسی نے مجھے اُس سے بھی بچایا۔ بے مثل شعر کہا ہے۔ معانی آفرینی کی حد کی گئی ہے۔

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال — ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

آدمی تنہا بیٹھے تب بھی خیالات گوناگوں کا ہنگامہ رہتا ہے لہذا ہم خلوت کو بھی جلوت ہی کہتے ہیں مومن خان مرحوم کا ایک شعر ہے جسے مرزا غالب بہت پسند کرتے تھے۔

ع تم میرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کسی کا شعر ہے ع ہمیشہ محشر صد آرزو میں رہتا ہے ؛ دل اپنا شورش روز جزا کو کیا جانے

ہنگامۂ زبونی ہمت ہے انفعال — حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

انفعال زبونی ہمت کی دلیل ہے۔ یعنی کسی سے کچھ حاصل کرنا باعث انفعال ہے لہذا عبرت بھی اگر حاصل کرو تو زمانہ سے شکر کرو کیونکہ اس میں بھی شرمندگی حاصل ہوگی

یا یہ کہ انفعال سے کمی ہمت کا پتہ چلتا ہے۔ لہذا کمی ہمت کا خود کو متہم ٹھہرانا بہت برا ہے زمانہ سے کچھ نہ کچھ حاصل کیوں نہ کیجے چاہے وہ عبرت ہی ہو۔ یعنی بے حصول کمال دنیا میں محض انفعال سے کام نہیں چلتا۔

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں — اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

آزاد رہنا اسکا نام نہیں ہے کہ دوسروں سے بیگانہ ہو گیا اور اُن سے رمیدگی اور وحشت اختیار کر لی اگر وحشت بھی کرتا ہے تو اپنی ذات سے کر اوسوقت کامل بیگانگی دنیا کا پتہ چلے گا ورنہ سب جھوٹا ہے۔

مٹتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کہیں — عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

اگرچہ عمر کا عبادت و طاعت میں صرف ہونا عمر کا بہترین صرف ہونا ہے پھر بھی اسکے

فوت ہونے کا غم کچھ ایسا نہین ہی کہ اسے کوئی بھول جائے - یعنی عمر عزیز ترین شے ہی - بہت خوب شعر کہا ہی

اُس فتنہ خو کے در سے اب اُٹھتے نہین اسد
اسمین ہمارے سر پہ قیامت ہی کیون نہو

چاہی کچھ ہو جائے مگر اب اوس کے در سے ہم اُٹھ نہین سکتے یہانتک کہ اگر قیامت بھی آجائے جس سے ہر چیز اُٹھے گی مگر ہم نہ اُٹھینگے -

حضرت داغ جہان بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہونگے تری محفل سے ابھرنے والے

قفس مین ہون گر اچھا بھی نہ جانین میرے شیون کو
مرا ہونا بُرا کیا ہی نوا سنجان گلشن کو

اول تو میرے شیون میرے نالے سے نوا سنجان گلشن کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور چونکہ اُنہین یہ حصول عبرت کا فائدہ حاصل ہوتا ہی اس لئے مجھکو اچھا سمجھنا چاہئے مگر باانیہمہ اگر وہ مجھکو اچھا بھی نہ سمجھیں تو برا بھی نہ جانیں کیونکہ میں خود آفت زدہ ہون قفس مین ہون کسی کا میرے ہونے سے کیا بگڑتا ہی کوئی میں آزاد تھوڑا ہی ہون کہ کسیکا کچھ کر سکون یا کسی کو میرے آزادی پر حسد اور رشک آئے - یا مجھے اپنا شریک صحبت سمجھکر برا جانین

نہین گر ہمدمی آسان نہو یہ رشک کیا کم ہی
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

دشمن کو اگرچہ میرے معشوق سے ہمکناری حاصل نہین ہی مگر میرے لئے یہ رشک بھی کم نہین ہی کہ جس کی میں تمنا رکھتا ہون اوسکی تمنا اوسکو بھی ہی - مرزا غالب مرحوم نے رشک کے مضامین کو جس صورت سے ادا کیا ہی اس سے بہتر کسی دوسرے شاعر کے یہان نہیں پائے جاتے چنانچہ یہ مضمون بالکل نیا ہی ایک جگہ اسی رشک کے مضمون کو فارسی میں یون ادا کیا ہی

ے یاد از عدو نیارم دانیم زود رنجی است
کاندر دلم گزشتن با یار ہم نشینی است

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اُس جراحت پر
کیا سینہ مین جسنے خونچکاں مژگان سوزن کو

افسوس کہ ایسے گہرے زخم پر تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا جسکو سینے میں مژگان سوزن سے بھی خونچکان کیا - افسوس ہے مولانا نظم لکھتے ہیں - سوزن سے سوزن غم مراد ہے - جسکا مقام سینہ کے اندر ہی اور اگر یہ استعارہ سوزن کا نہ لیں تو شعر عامیانہ ہو جائیگا جیسے نافہم

شعرا غیر واقعی باتیں نظم کر دیا کرتے ہین خدا جانے غالب نے کیا کہا تھا - اللہ اکبر

نوشتہ باند سیہ بر سفید
نویسندہ را نیست فردا امید

خدا شرمائے ہاتھون کو کہ رکھتے ہین کشاکش مین
کبھی میرے گریبان کو کبھی جانان کے دامن کو

اِن ہاتھوں سے خدا سمجھے جنھون نے فراق مین میری گریبان دری اور وصل میں رخصت کے وقت اُسکے دامن کھینچنے کی عادت اختیار کر رکھی ہی (جانان) اس جگہ کچھ اچھا نہین معلوم ہوتا مین اسمین مولانا حسرت کے قول کی تائید کرتا ہون کہ جانان کا دامن اگرچہ صحیح ترجمہ ہے دامن جانان کا مگر تعجب ہے کہ غالب نے اسکا استعمال جائز رکھا -

ابھی ہم قتل گہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوئے خون مین تیرے توسن کو

ابھی ہم قتل گاہ کا نظارہ معمولی بات سمجھے ہوئے ہین تیرے توسن کو ابھی خون میں شناور نہین دیکھا ہے کہ ذرا حواس ٹھکانے ہوں مبالغہ خونریزی معشوق حد سے گذر گیا ہی معاذ اللہ - ہلاکو خان مات ہو گیا خدا کرے آجکل فرضی عاشقوں کو ایسے خیالی جلاد معشوق ملین

ہوا چرچا جو میرے پانوں کی زنجیر بننے کا
کیا بیتاب کان مین جنبش جوہر نے آہن کو

میرے زنجیر بننے کا جو شہرہ ہوا تو لوہے کے جوہر نے لوہے کو معدن مین بیتاب کر دیا کہ کاش مجھی سے ایسے کامل دیوانہ کی زنجیر بنے - کان کے نون کا غنہ ہونا بہت برا ہے نیز ایسا اغراق کرنا غالباً قوت متخیلہ کے قوت ممیزہ سے حد سے گذر جانے کا نتیجہ ہی تخیل وہین تک تخیل کی حد مین ہی جہان تک وہ اعتدال پر ہی - اگر وہ قوت ممیزہ سے گذر گیا - تو وہ شاعر کو مہمل بکنے پر مجبور کر دیتا ہی - یعنی جسقدر کہ متخیلہ خلاق المعانی ہے اسیطورت سے ممیزہ اوسکی روک ٹوک کرنیوالی ہی اور کبھی اوسکو اسقدر پرواز کی اجازت نہین دیتی جانے سے وہ گر سے اور اسکی ہڈی پسلیان جکناچور ہو جائین - قوت متخیلہ کی عادت ہے کہ وہ ہمیشہ آسمان سے تارے توڑ کر شاعر کے سامنے لا رکھتی ہی مگر ممیزہ اوسکے صرف کی بلحاظ وضع الشئے علیٰ غیر محلہ - کبھی کسی زمین پر لگانے کی اجازت نہین دیتی - اور اگر ایسا ہوا تو سمجھ لیجئے کہ قوت متخیلہ حاکم اور ممیزہ محکوم ہو گئی - اور اس کا اثر وہی ہوگا

جیسا کہ ایک پیاسے کو زہر کا شربت پینا مضر ثابت ہوتا ہے۔

جہاں شاعر مبالغہ سے کام لیتا ہے وہاں ممیزہ اکثر محکوم ہو جاتی ہے اور متخیلہ غالب رہتی ہے۔ لیکن یہ سچ ہے کہ آجکل غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جہاں تک مبالغہ ہو وہ شعر کیلئے زینت ہوگی مگر دیکھا جائے تو عربی کی ابتدائی شاعری میں کہیں جھوٹ کا نام بھی نہیں ہے۔ چنانچہ زہیر ابن ابی سلمیٰ جو دور اولی کا شاعر ہے کہتا ہے۔ احسن القول ما صدقہ الفعل۔ یعنی بہترین کلام وہ ہے جسکی فعل بھی تصدیق کرے اسی لئے حضرت عمر نے زہیر کو اشعر الشعراء کا خطاب دیا تھا اسی طرح عرب میں سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ مگر خلفائے بنی عباس کے زمانہ سے برابر جھوٹ کو ترقی ہوتی رہی۔ بیوقوف امیر بیجا مدح سنکر خوش ہوتے رہے یہانتک کہ مبالغہ شعر کے ارکان ضروری میں داخل ہوگیا۔ مگر ہم اُس زمانہ کے شعراء کو الزام نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ دروغ مصلحت آمیز سے کام لیتے تھے اور اسکی بدولت انعام اور دولت حاصل کرتے تھے۔ مگر اب خیال کیجیے کہ زمانہ کی قدردانی کا اب یہ حال ہے کہ جیسے پہلے امرا خزانہ دیتے تھے آج کوئی بجائے اوسکے واہ کہنے کو بھی تیار نظر نہیں آتا۔ پھر آخر اس اتباع سے کیا فائدہ ہے کیوں وہی تراتر خائی مدنظر رکھی جاوے۔ اور کیوں شاعر کے بجائے خود کو لاغی کا خطاب دلا یا جائے۔

خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے ‌ ‌ ‌ سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو

اگر میرے کھیت پر ابر آئے تو اسکی مجھے کوئی خوشی نہیں ہے اسواسطے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی باوجودیکہ کچھ نہیں ہے مگر برق خرمن کو ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ کسی کا شعر ہے

کبھی ہنستی ہے بجلی اور کبھی روتا ہے ابر اسپے ‌ ‌ ‌ ابھی پتی ہی پھوٹی ہیں مری شاخ نشیمن میں۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے ‌ ‌ ‌ مرے بتخانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

وفاداری اور اپنی وضع کو نباہنا ایمان کی دلیل ہے۔ یہانتک کہ اگر برہمن بت کی عبادت کرتا کرتا بتخانہ میں مرجائے تو وہ کعبہ میں گاڑنے کے قابل ہے۔ انتہا اچھا شعر ہے۔ اسی مضمون کو عرفی شیرازی کہتے ہیں۔

بکیش برہمنان آنکرا ز شہید الست ‌ ‌ ‌ کہ در عبادت بت رو بر زمین میرد

شہادت تھی مری قسمت میں جو دی تھی یہ خو مجھکو ‌ ‌ ‌ جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو

میری قسمت میں شہادت تھی اسی لئے مجھکو یہ عادت ملی تھی کہ جہاں کہیں تلوار دیکھتا تھا گردن جھکا دیتا تھا۔ یہی ہوا کہ اس عادت کی بدولت میں مارا گیا اور شہید ہوا۔

نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا ‌ ‌ ‌ رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

یہ شعر بیت الغزل ہے۔ کہتا ہے کہ اگر دن کو میں لٹ نہ جاتا تو رات کو ایسا بیخبر کیوں سوتا۔ دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی مال چرا کر نہ لیجائے۔ اب کہ لٹ گیا ہوں تو آرام کی نیند پڑا سوتا ہوں اور رہزن کے لیے جس نے مجھے اس غم سے سبکدوش کیا ہے تہ دل سے دعا نکلتی ہے۔ بہت خوب شعر کہا ہے۔

سخن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جویا ہوں جواہر کے ‌ ‌ ‌ جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو

ہمارا جگر معدن ہے اور سخن جوہر ہے اگر ہمارے پاس جگر اور سخن نہ ہوں تو جا کر معدن کو کھودیں کہ وہاں سے جواہرات نکالکر لائیں۔

مرے شاہ سلیماں جاہ سے نسبت نہیں غالبؔ ‌ ‌ ‌ فریدون و جم و کیخسرو و داراب و بہمن کو

مانا کہ فریدون جمشید کیخسرو بہمن یہ سب عالی قدر بادشاہ تھے مگر میرے بادشاہ سے انکو نسبت نہیں میرا بادشاہ سلیمان مرتبت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سلیمان ان سب سے بڑے بادشاہ تھے کہ جن ہوا پرند وغیرہ پر بھی حکمران تھے اور بادشاہ ملک معنے بھی تھے کہ پیغمبر تھے۔ نیز بہادر شاہ بھی ایک درویش صفت بادشاہ تھے۔

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیمتن کے پانو ‌ ‌ ‌ رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو

محاورہ ہے کہ فلاں فلاں کے پاؤں دھو دھو کر پیتا ہے۔ اسکی مصنف ادا کرتا ہے کہ اگر میں کمال انقیاد سے اوس ظالم کے دھونے کے لئے پاؤں دھو دھو کے پینے کا ارادہ کرتا ہوں تو وہ ضد سے لگن کے باہر پاؤں کھینچ لیتا ہے۔ گویا مجھے اسقدر ذلیل سمجھتا ہے کہ اپنے پاؤں کا دھوون

پلانا بھی منظور نہین کرتا۔

پانو کے آخر مین اہل لکھنو نون لکھتے ہین اور اہل دہلی واو۔

دی سادگی سے جان پڑون کوہکن کے پانو
ہیہات کیون نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو

فرہاد نے سادگی سے محض پیرزن کے مکر و فریب پر جان دیدی ہائے ہائے پیرزن کے پانون کیون نہ ٹوٹ گئے ہائے ہائے مین اسکے پانون پڑون وہ بچرا سادہ تھا یہان میرے نزدیک پانون پڑنے کا محاورہ کچھ اچھا صرف نہین ہوا۔

بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سزا ہے یہ
ہو کر اسیر دابتے ہین راہزن کے پانو

ہم راہزن سے بہت بھاگے تھے اُسی کی سزا یہ ملی ہے کہ اب اسکا مطیع ہو کر ہمکو اُسکے پانون دابنے پڑے ہین نظم صاحب فرماتے ہین اس شعر کے جو معنی حقیقی ہین وہ تو شاعر کا کلام نہین معلوم ہوتے ہان اگر یہ سب باتین استعارہ سمجھو تو وہ بھی صاف نہین ہین۔

واقعہ تو یہی ہے جو جناب نظم نے لکھا ہے کہ یہ شعر کلام غالب سے بالکل خلاف ہے۔ اسمین پانون دبانا وغیرہ یہ سب رکیک رکیک مضمون ہین۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی زبان پر یہ لفظ ضرور تھا ایک جگہ اور کہتے ہین

اسد خوشی سے مرے ہاتھ پانون پھول گئے
کہا جو اُسنے ذرا میرے پانو داب تو دے

مگر وہان محاورہ اچھی طرح صرف ہوا ہے اگرچہ مضمون وہ بھی اچھا نہین معلوم ہوتا۔ مگر سچ ہے کہ ردیف اور قافیہ کی بھاری قید جو اردو کی شاعری مین ہے وہ کبھی کبھی شاعر کو ایسا مجبور اور مجنون کرتی ہے کہ وہ کچھ کا کچھ کہہ جاتا ہے یہی معاملہ غالب کو پیش آیا ہے ورنہ وہ خود کہتا ہے

غالب بنود شیوۂ من قافیہ بندی
ظلمی است کہ بر کلک و قلم میکنم امشب

مگر یہان یہ دونون شعر ایسے ہی ہین۔ جنمین قافیہ بندی کے سوا کچھ نہین۔

مرہم کی جستجو مین پھرا ہون جو دور دور
تن سے سوا فگار ہین اس خستہ تن کے پانو

مجھے مرہم کی جستجو کرنے مین وہ زحمت اُٹھانی پڑی ہے کہ وہ اصل مرض سے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے اور میرا جسم اتنا فگار نہین ہے جتنے کہ پانو زخمی ہو گئے ہین

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہین خود بخود مرے اندر کفن کے پانو

مجھے دشت نوردی کا وہ شوق و ذوق تھا کہ مرنے کے بعد بھی خود بخود کفن کے اندر میرے پانون ہلتے ہین یہ شعر بیت الغزل ہے۔

ہے جوش گل بہار مین یانتک کہ ہر طرف
اُڑتے ہوئے اُلجھتے ہین مرغ چمن کے پانو

چمن مین بہار کا اسقدر جوش ہے کہ طایران چمن کے اُڑتے ہوئے پھولون کے جال مین پانون پھنستے ہین دوسرے نازک معنے یہ پیدا ہوتے ہین کہ اگر وہ اڑنے اور چمن سے باہر جانے کا ارادہ بھی کرتے ہین تو رونق چمن اونکے لئے دام بنجاتی ہے اور کہین جانے نہین دیتی۔

شب کو کسی کے خواب مین آیا نہو کہین
دکھتے ہین آج اُس بت نازک بدن کے پانو

آج اُس بت نازک بدن کے پانو دکھتے ہین کہین خواب مین شاید وہ گیا ہوگا۔ کیسا شعر ہے۔

وہ خواب مین عدو کے گھر آیا گیا نہو
مہندی لگی ہے پانون مین چھالا پڑا نہو

غالب مرے کلام مین کیونکر مزا نہو
پیتا ہون دھو کے خسرو شیرین سخن کے پانو

چونکہ بادشاہ شیرین سخن کے پانو دھو دھو کر پیتا ہون اسواسطے اس کے اثر سے میرے کلام مین مزا پیدا ہو گیا ہے مزا۔ پینا۔ شیرین۔ خسرو وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب ہین جو نہایت صفائی سے نظم ہوئے ہین۔

وان پہونچکر جو غش آتا پے ہم ہے ہمکو
صد رہ آہنگ زمین بوس قدم ہے ہمکو

مجھکو وہان پہونچکر جو پے در پے غش آتا ہے یہ خالی از علت نہین ہے بلکہ اس لئے ہے کہ سو مرتبہ میرا جی چاہتا ہے کہ مین اپنے قدمونکو بوسہ دون۔ اور یہ پانون کی توقیر مجھے اس لحاظ سے منظور ہے کہ اُسی کے ذریعہ سے کوچہ محبوب مین جانا ہوتا ہے۔ پیہم بغیر اضافت اور مع الاضافت دونون طریقہ سے صحیح ہے مگر اردو مین بغیر اضافت مستعمل ہے

دل کو میں اور مجھے دل محوِ وفا رکھتا ہے
کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہمکو

میں اپنے دل کو۔ اور میرا دل مجھے دام وفا مین پھنسائے رکھتا ہے اس سے ہمارے لذت آزار کے خوگر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ضعف سے نقش پئے مور ہے طوقِ گردن
تیرے کوچے سے کہاں طاقتِ رم ہے ہمکو

جس ناتواں کے گلے میں اتنا بھاری طوق ہو اوسمیں بھاگنے کی طاقت کہاں باقی رہ سکتی ہے یعنی ایک چونٹی کے پاؤں کا نقش بھی طوق گردن ہے۔

جان کر کیجئے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو
یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہمکو

مین تغافل کو بھی منع نہین کرتا آپ شوق سے تغافل بھی کیجئے لیکن تغافل آشنایانہ کیجئے ناآشنایانہ نہ کیجئے یہ نگاہ غلط انداز تو ہمکو زہر معلوم ہوتی ہے۔ تغافل جو جانکر کیا جاے گا اُس سے کم از کم یہ تو امید بندھے گی کہ اب ناآشنا ہو تو کبھی تو آشنا ہوگے۔

رشک ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزین
نالۂ مرغِ سحر تیغِ دو دم ہے ہمکو

مرغ سحر کی آواز ہمارے لئے تیغ دو دم ہے یعنی اوس سے ہمکو دو قسم کے صدمے پہونچتے ہین ایک تو رشک ہم رنگی کا یعنی رونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی آسیکا عاشق ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسکی آواز دردناک ہمپر اثر کرتی ہے

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہمکو

ہم نے جو سر اڑانے کے وعدہ کی مکرر اُن سے التجا کی۔ تو ہنسکے جواب دیا کہ ہمین تیرے سر کی قسم ہے ضرور اڑائینگے۔ یا یہ کہ ہنسکر کہا کہ تیرا سر اوڑانے کی تو ہمکو قسم ہے ہم نہ اڑائینگے۔
پہلا مطلب صاف ہے۔ ہنسنا۔ اور سر اڑانے پر سر کی قسم کھانا ایک ایسا لطف پیدا کرتا ہے جسے شاعر ہی خوب سمجھ سکتا ہے۔

دل کے خوں کرنیکی کیا وجہ و لیکن ناچار
پاسِ بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہمکو

دل کے خون کرنیکی کوئی وجہ نہین مگر مجبور ہیں ہمین اپنی آنکھ کی بیرونقی بڑی معلوم ہوتی ہے یعنی ہم خون رونے کو رونق دیدہ سمجھے ہوئے ہین۔ یہ شعر بھی بہت خوب ہے

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو

ان دونون مصرعوں میں حد مشق دکھائی گئی ہے۔ یوں تو ظاہر برابر کے مصرعے ہیں۔ اس کا مضمون بھی قیامت ہے تم اتنے نازک ہو کہ میری خموشی تمکو فغان معلوم ہوتی ہے مگر مین اتنا عاجز ہوں کہ تم نے ستم سے ہاتھ اٹھا کر جو انداز تغافل اختیار کیا ہے اُسکو بھی ستم سمجھتا ہوں

لکھنؤ آنیکا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہمکو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کہین جاتے ہوئے لکھنؤ مین ٹھہرے۔ کہتے ہین کہ ہمکو لکھنؤ کے آنیکا کچھ سبب نہین معلوم ہوتا سیر و تماشا کی ہوس سو وہ ہمکو بہت کم ہے۔ محض اس لئے ہم یہاں آ نہین سکتے۔

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہمکو

ہمارا سلسلہ شوق سیر یہان کیا قطع ہو سکتا ہے بلکہ یہ سلسلہ شوق حرم اور نجف اشرف مین جاکر منقطع ہوگا۔

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہمکو

ہم کہیں کسی توقع پر جا رہے ہیں اور مرکز کاف کرم ہمارے لئے جادہ راہ بنا ہوا ہے یعنی محض کرم کی امید پر ہم کہین جا رہے ہین۔

واں اسکو ہولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

وہاں اُسکو ہول دل ہے میں اس سے بیقرار ہوں اور ڈر رہا ہوں کہ کہیں کمبخت

میری آہ نے اثر نہ کیا حالانکہ اس کا ہول دل محض رقیب کی جدائی میں ہے۔ ایک جگہ بالکل یہی مضمون فارسی میں کہا ہے۔ دانمش در انتظار غیر عالم زار زار ۔ دامن گرفتہ باشد خواہش عوعامی

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ ۔۔۔ آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

اوسکو ذوق ستم اتنا ہے کہ خود آرائی کو بھی اسکے آگے ہیچ سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اگر اپنی شکل دیکھتا ہے تو آئینہ دیدہ نخچیر میں دیکھتا ہے۔

تم جانو تمکو غیر سے جو رسم و راہ ہو ۔۔۔ مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

خیر ہم رشک رقابت کو بھی گوارا کرتے ہیں غیر سے تم راہ و رسم رکھتے ہو تم جانو تمہارا کام جانے مگر مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہے۔ عدو کے ساتھ ہی آئیں و خیر وقت آخر وہ اب کرینگے گوارا جو عمر بھر نہ کیا

بچتے نہیں مواخذۂ روز حشر سے ۔۔۔ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

یعنی تم نے محض اس لحاظ سے کہ مجھے حشر میں کوئی مواخذہ نہو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا رقیب سے قتل کرایا ہے۔ مگر کیا تم اس حیلہ سے بچ جاؤگے۔ رقیب قاتل ہے تم گواہ ہو۔ مواخذہ تم سے ضرور ہوگا۔ یہ شعر بیت الغزل ہے۔

کیا وہ بھی بے گنہ کش و حق ناسپاس ہیں ۔۔۔ مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو

اچھا تمھاری خاطر سے ہم نے یہ بھی مان لیا کہ تم انسان نہیں ہو خورشید و ماہ ہو۔ مگر کیا خورشید و ماہ بھی تمھاری طرح بیجرم آدمیوں کا خون بہاتے ہیں اور ناحق شناسی سے کام لیتے ہیں۔

ابھرا ہوا نقاب میں ہے انکے ایک تار ۔۔۔ ڈرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو

انکی نقاب میں ایک تار ابھرا ہوا ہے میں ڈرتا ہوں اور اس شک سے مرا جاتا ہوں کہ یہ کسی کی نگاہ نہو۔

جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ۔۔۔ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس میں اس مضمون کو شوخی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ جگہ جو ہمکو مرغوب تھی اور جہاں شراب پینا باعث لطف تھا ہم سے چھوٹ گئی تو خیر اب مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی جگہ ہم وہیں پی لیں گے۔ اگر صحرا دشت ویرانہ وغیرہ کہا جاتا تو شعر میں یہ خوبی اور یہ شوخی پیدا ہوتی اس زمین میں یہ شعر بھی بہت خوب ہے۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست ۔۔۔ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

واعظ بہشت کی جو تعریفیں کرتے ہیں وہ سب سچ سہی لیکن بس بہشت اسیوقت ہمکو اچھی معلوم ہوگی جب وہاں تیرا دیدار دیکھیں ورنہ وہ کچھ بھی نہیں

غالب بھی گر نہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں ۔۔۔ دنیا ہو یارب اور مرا بادشاہ ہو

بھی نے اس شعر میں یہ لطف پیدا کیا ہے کہ اول تو بادشاہ کے لئے ضرور ہے کہ غالب جیسا شاعر اور مداح اوسکے دربار میں ہو۔ اور اچھا اگر یہ بھی نہو تو کچھ نقصان نہیں۔ میرا بادشاہ جم جاہ سلامت رہے۔ یہی سب کچھ ہے۔ مولانا نظم لکھتے ہیں۔ کہ میری عمر بھی بادشاہ کو ملے

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو ۔۔۔ کہے سے کچھ نہوا اب کہو تو کیونکر ہو

اب وہ زمانہ گیا جب ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ ہم ان سے دو باتیں کریں تو ہم اپنے درد و غم کا ان کے سامنے نقشہ کھینچ دینگے اور وہ ہمپر یقیناً مہربان ہو جائینگے تو وہ موقع بھی میسر ہوچکا اب اپنا تمام دکھڑا بھی ان کے سامنے رو چکے۔ اور انھیں مطلق رحم نہ آیا۔ اب بتاؤ کیا علاج۔ گویا رہی سہی امید بھی ٹوٹ گئی۔ یا یہ کہ پہلے گفتگو کی تمنا تھی۔ گفتگو ہو چکی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا۔ اگر اب اپنی داستان پھر اونکے سامنے بیان کیجائے تو جو بات پہلے نہ ہوئی اب کیونکر ہوگی۔ یعنی اب وہ کیونکر مہربان ہو جائینگے

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال ۔۔۔ کہ گر نہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو

گویا کہنے والا وصال کے اصلی معنے ہی نہین سمجھتا - اور اس سے انتہائے محرومی کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے - وہ کہتا ہی کہ ہم تو وصال کے اتنے ہی معنے سمجھتے ہین کہ اگر وصال نہو تو کہان جائین - اور اگر ہو تو ہونے کی کیا صورت ہی - یہ ویسا ہی انداز بیان ہی جیسا کہ ع لب تک آجائے سے ہوتی ہی جو فرصت غم سے + اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہین - مین ہے مولانا نظم اسکی شرح فرماتے ہین - یعنی اسی فکر ہی مین ہم خوش رہتے ہیں وصال کبھی نصیب نہین ہوتا

ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجیے　　حیا ہی اور یہی گو مگو تو کیا کہیے

اگر ہمارا یہی ادب - یہی دلی الجھن - یہی گو مگو کا اور انکا یہی حیا کا عالم ہی تو آخر کیونکر کام بنے گا اور کیا ہوگا -

تمھین کہو کہ گذارہ صنم پرستو نکا　　بتونکی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو

تم ہمکو تو کہا کرتے ہو کہ تو ہمکو ہمیشہ بدخوئی کا الزام دیتا ہی مگر سنیئے ہم آپ ہی سے انصاف سے پوچھتے ہین کہ جیسی تمھاری عادت ہی اگر ایسی ہی معشوقونکی عادت ہو تو کیونکر بنے اور عاشقون اور صنم پرستون کا گذارہ کیسے ہو -

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ　　جو تم سے شہر مین ہون ایک دو تو کیونکر ہو

اگر تم آئینہ دیکھتے ہو تو گھنٹوں اپنے عکس سے الجھتے ہو گستاخی معاف اگر شہر میں تم سے دو چار حسین ہون تو پھر تو بڑی مشکل ہو جائے پھر تو جینا بھاری کر دین - آئینہ مین عکس دیکھکر معشوق کا لڑنا یہ عام مضمون ہی - معمولی معمولی شعراء کے دواوین بھی اس خالی نہین ہیں چنانچہ کسی کا شعر ہی -

بھوین تنتی ہین آنکھین سرخ ہین کچھ کہتے ما ہین + لڑائی لڑتے ہو تم آئینہ رکھکر مقابل مین

جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا　　وہ شخص دن نکہے رات کو تو کیونکر ہو

میرا دن اور میری رات یکساں ہی لہذا مجھے مجبوراً اسی روز سیاہ کو جو رات کی طرح ہی دن کہنا پڑتا ہے نہ کہوں تو کیا کروں - سیاہی ہی کا خیال کیا جائے تو گویا دن مجھے

دیکھنا نصیب ہی نہین ہوا -

یا یہ کہ میرا روز سیاہ رات سے زیادہ تاریک ہے اور مجبوراً میں رات کو دن دن کو رات کہتا ہوں - غالباً عرفی کا شعر ہے ؎

ز فرط غم افتادہ ام بنوعی کہ بے تو + چو دو زلف تست یکساں شب و روزم از سیاہی

ہمین پھر اُن سے امید اور انہین ہماری قدر　　ہماری بات ہی پوچھین نہ وہ تو کیونکر ہو

جب وہ ہماری بات ہی نہ پوچھین تو ہمکو اُن سے کوئی اُمید اور اُن کو ہماری قدر کیونکر ہو اس شعر مین (ہ) کو قافیہ کے لئے واؤ بنا لیا ہی - اس لئے کہ یہ ہے (ہ) تلفظ میں نہیں ہے - بلکہ اظہار حرکت ماقبل اس سے مقصود ہے دوسرا واؤ محض اشباع یعنی پر مکر کے پڑھنے سے پیدا ہوتا ہی - اور یہ صحیح ہی - خود مصنف مرحوم نے اسکو اسی صورت سے دوسری جگہ نظم کیا ہے ؎ کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے - الغرض گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے نظم صاحب نے لکھا ہی کہ میر کی زبان پر لفظ وہ بفتح واؤ تھا اور (ہ) ملفوظ تھی یہ شعر اُن کا شاہد ہے ؎ کہتا ہے کون تجھکو یاں یہ نکر تو وہ نکر - پھر ہو سکے تو بارے دل میں بھی ٹک جگہ کر - مگر یہ خیال صحیح نہین ہی میر صاحب کی زبان پر وہ بفتح نہ تھا بالضم تھا اور ”وہ“ اور کے یہان بھی مکتوبی ہی تھی ملفوظی نہ تھی بلکہ جگہ کا کاف فارسی اُنھوں نے مضموم کرکے وہی قاعدہ اشباع جاری رکھا اور یہ لفظ جگہ بضم کاف نواح دہلی مین ابتک بولا جاتا ہی اس سے غالب کا وہ لکھنا صحیح رہتا ہی - اور میر صاحب بھی الزام سے بری ٹھہرتے ہین ورنہ غالب سے بھی یہ بعید ہے کہ دو دو جگہ ایک لفظ مین دھوکہ کھا جائیں - اور میر صاحب بھی مشکل سے دنیا بھر سے خلاف ہو کر وہ بالضم کو بفتح لکھین گے ؟ -

غلط نہ تھا ہمین خط پر گماں تسلی کا　　نہ مانے دیدۂ دیدار جو تو کیونکر ہو

ہمکو گمان تھا کہ اُن کے خط سے ہمکو تسلی ہو جائے گی - اور یہ گمان صحیح بھی تھا - کہ المکتوب نصف الملاقات کا مضمون ہے مگر ایسا نہ ہوا دیدۂ دیدار طلب کو خالی خط سے تسلی نہین ہوتی ہم مجبور ہین -

بتاؤ اُس مژہ کو دیکھکر کہ مجھکو قرار — یہ نیش ہو رگ جاں مین فرو تو کیونکر ہو

کوئی بتائے کہ اُسکی مژہ کو دیکھکر مجھکو کیونکر قرار آئے یہ گویا ایک نشتر ہے جو رگ جاں مین اترا ہوا ہے جس سے قرار آنا غیر ممکن ہے - مژہ کی جمع "مژہا" کا دنبا فارسی مین جائز اور صحیح ہے یا یہ کہ مجھکو سمجھانے والے اُس مژہ کو دیکھین پھر مجھے میرے سوال کا جواب دین ؎ کہ گوئی بکژدم گزیدہ منال - والا حساب ہے -

مجھے جنون نہین غالب ولے بقول حضور — فراق یار مین تسکین ہو تو کیونکر ہو

غالب مین مجنون نہیں ہون یہ سچ ہے مگر بقول حضور کے مصرع ثانی مین قول ہے جو بہادر شاہ ظفر بادشاہ آخری سلطنت مغلیہ کا کہا ہوا ہے - اور یہ غالبًا شاہی فرمایش ہی سے مصنف نے غزل لکھی ہے -

کسے دیکے دل کوئی نواسنج فغاں کیون ہو — نہ ہو جب دل ہی پہلو مین تو پھر منہہ مین زباں کیون ہو

اگر کسیکو کوئی دل دیدے تو پھر آخر فریاد کیون کرے جب پہلو مین دل نہو تو زبان منہہ مین کیون ہو - یہ غزل غالب کی مقبول عام ہے اور واقعی اسکے شعر ایسے ہین جنکی بندش و اثر وغیرہ سحر تک کا مقابلہ کرنیکو تیار ہین -

وہ اپنی خو نہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیون چھوڑین — سبک سر بنکے کیا پوچھین کہ ہمسے سرگراں کیون ہو

انکی عادت ناراضگی کی ہے اور ہم بھی وضعدار ہین - وہ اپنی عادت کو نہین چھوڑتے تو ہم کیون اپنی وضع کو نہ نباہین اور اُن سے یہ کیون پوچھکر ہلکے بنین کہ آخر آپ ہمسے کیون ناراض ہین -

کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو — نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا رازداں کیون ہو

میرے غم خوار نے مجھے رسوا کردیا میرا رنج و غم دیکھکر وہ اسقدر مضطرب ہوا کہ دنیا کو میری حالت کی خبر ہوگئی - ایسی محبت جہنم مین جائے جو غم اُٹھا نہ سکے پھر میرا رفیق بننے کی کیا جرأت کر

دمبدم دیکھ دیکھ کر روتا ہے — یار کے دام ایسے ہی ہمنشین تھے ہین

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا — تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیون ہو

جب ہماری قسمت مین سر پھوڑنا بدا ہے تو پھر کیسی وفا اور کہاں کا عشق جہاں جی چاہیگا اپنا سر پھوڑ لیں گے تیرے ہی آستانے پر کیوں سر پھوڑین -

؎ جب میکدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید ÷ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

اس شعر کی بندش مین وہ چستی ہے جسکی تعریف غیر ممکن ہے -

قفس مین مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم — گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیون ہو

اسکی تعریف کرنا فضول ہے کیونکہ جسقدر معانی اس شعر مین بھر دیے ہین وہ ادا بھی مشکل سے ہو سکتے ہین اور پھر لطف یہ ہے کہ بندش نہایت چست - مضمون موثر اور بعید از دماغ ہے گویا ایک طائر قفس مین عرصہ سے مقید ہے اور اسکو چمن و آشیانہ کی کچھ خبر نہین ہے ایک طایر کہین سے اوسکے سامنے آکر بیٹھتا ہے اور یہ اُس سے اسکے نشیمن کا حال بتاتا ہوا ہچکچاتا ہے - اور حال یہ ہے کہ طایر مقید نے کل بجلی گرتی ہوئی دیکھی ہے - تو جب طایر نووارد بتانے مین ہچکچاتا ہے تو یہ اُس سے جھنجھلا کر کہتا ہے کہ واہ یہ کہتے کہتے تم رہ کیون جاتے خدا نہ کرے جو کل کی بجلی سے میرا آشیان جلا ہو دوسرے مصرع کی داد نہین دیجا سکتی ہے جسمین اپنے مضمون کو بہت خوبی سے ادا کیا ہے کہ باوجود یہ جاننے کے کہ آشیانہ جل گیا ہے کسطرح اپنے دل کو سمجھا بجھا کر تسلی دیتا ہے -

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل مین نہین ہین پر یہ بتلاؤ — کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیون ہو

یعنی تم یہ تو کہہ نہین سکتے کہ ہم تیرے دل مین نہین ہین - اچھا جب مسلم ہو گیا کہ آپ دل مین ضرور ہین تو پھر براہ عنایت یہ بھی بتا دیجیے - کہ جب دل مین تمھین تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیون ہو -

غلط ہے جذب دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے — نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیون ہو

129

تم مجھ سے میرے جذب دل کا شکوہ فضول کرتے ہو کہ تیرا جذب محبت ہمکو کھینچتا ہے
اگر تم اپنے آپ کو نہ کھینچو تو پھر یہ کشاکش کیوں ہو۔ کہ ادھر میرا جذب دل تم کو کھینچے اُدھر تم کھچو
اسی مضمون کو اسی زمین مین مرزا غالب کے ایک شاگرد جناب سخن دہلوی تھوڑے سے
تغیر کے ساتھ یون لکھتے ہین۔

؎ کرے گر وہ مرے جذب دل بیتاب کا شکوہ
سخن پھر مجھکو اُس بت سے شکایت درمیاں کیوں ہو

مگر غالب کے یہان یہ مضمون نہایت اچھے طریقے سے بندھا ہوا ہے۔ اُستادی اور
شاگردی کا فرق ظاہر ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اُسکا آسمان کیوں ہو

اسمین اضمار قبل الذکر ہے۔ یعنی جسکے تم دوست ہوئے اوسکا دشمن آسمان کیون ہو آپکی
دوستی کیا کسی کی خانہ ویرانی اور بربادی کے لئے کچھ کم ہے۔ یہ بھی ایک فتنہ ہے سخن صاحب
نے اس مضمون کو بھی اسطریقہ سے ادا کیا ہے ؎

ستم جو کچھ ہین مجھ پر ہین فقط تیرے تغافل سے
اگر تو دوست ہو تو میرا دشمن آسمان کیون ہو

یعنی چونکہ تو دوست نہین ہے اس لئے آسمان مجھ پر ستم کرتا ہے اگر تو دوست ہو جاے
تو اُسکو مجھ پر ستم کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ ہو۔

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحان کیون ہو

حال تو یہ ہے کہ رقیب روسیہ کے آپ ہو چکے اور پھر مجھے آپ ستاتے ہیں اور مشہور
یہ کرتے ہین کہ ہم تو اسکی محبت کا امتحان کرتے ہین۔ کیون صاحب اسکا نام امتحان ہے تو ستانا
کس جانور کا نام ہے۔ اگرچہ غالب کے یہان یہ مضمون بہترین طریقہ سے ادا ہوا ہے۔
مگر مرزا داغ نے اسی مضمون کو زبان کی لطیف چاشنی دیکر اتنی ترقی دیکر
ادا کیا ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی۔ گویا شراب دو آتشہ ہے ملاحظہ ہو۔ اور ساتھ ہی
یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ ایک مشاق شاعر اگر کسی مضمون کو دوسرے شاعر سے لیتا ہے
تو اپنے حسن بیان کے سبب سے اتنی گنجائش باقی نہین رکھتا ہے کہ پھر اسپر کوئی سرقہ یا اقتباس
کا بھی الزام لگا سکیں بلکہ وہ مضمون کو اپنا کر لیتا ہے۔

؎ ہو چکا قطع تعلق تو جفائین کیوں ہوں
جنکو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہین

کہا تم نے کہ کیون ہو غیر کے ملنے مین رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہان کیون ہو

گویا معشوق سے کہا گیا ہے کہ دیکھو غیر کے ملنے میں تم رسوا ہو جاؤ گے اور وہ ستم شعار نا عاقبت
اندیش جھلا کر جواب دیتا ہے کہ غیر کے ملنے میں کیوں رسوائی ہو گی اسپر وہ دوسرا مصرع پڑھتا
بجا ہے درست ہے ذرا پھر تو کہو کہ ہان کیون رسوائی ہو۔ اس کہلانے سے گویا اسکو واقعات یاد
دلانے چاہتا ہے کہ دیکھو کیا مشہور ہو رہا ہے مجھے ایک شعر بیخود صاحب دہلوی کا یاد ہے
مگر اسکے شاید کچھ الفاظ بدل گئے ہین پھر بھی میں لکھتا ہوں۔

؎ سنا ہے کچھ اڑا رکھی ہیں خبریں کیسی دشمن نے
نہ مانو میرا کہنا اور جاؤ بزم دشمن میں

نکالا چاہتا ہے کام طعنوں سے تو اے غالب
ترے بیمہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیون ہو

حضرت غالب اب طعنے دے دے کر کام نکالنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایسا نہین ہے کہ آپکے
ان دمون مین آجاوے اور آپ کے بیمہر کہنے سے مہربان ہو جائے۔ ایک شعر مرزا داغ دہلوی
کا ہے کیا خوب فرمایا ہے۔

؎ دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی بلغ
بندۂ زر یہ محبت میں حکومت کیسی

رہیئے اب ایسی جگہ چلکر جہاں کوئی نہو
ہم سخن کوئی نہو اور ہم زبان کوئی نہو

دنیا کے دوستون سے ہم تنگ ہو گئے اور عاجز آ گئے لہذا اب ایسی جگہ چلنا چاہئے
جہان کوئی نہو نہ کوئی ہمارا ہمزبان ہو نہ کوئی ہم سے بات کرنیوالا ہو کہ ہم کو کوئی رنج پہونچ سکے

بے در و دیوار سا اک گھر بنانا چاہیئے
کوئی ہمسایہ نہو اور پاسبان کوئی نہو

جب در نہیں ہے تو دربان کیسا۔ اور جب دیوار نہیں تو ہمسایہ کہاں۔

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خوان کوئی نہو

بیمار پڑ جائین تو کوئی تیمارداری کے لئے نہ آئے اور مر جائیں تو کوئی نوحہ خوانی

نہ کرے۔ یعنی ہمکو پھران لوگونکی جنسے نفرت ہے صورت نہ دیکھنی پڑے۔ تینون شعرون مین بے کسی کی تصویر کھینچدی ہے۔

ردیف "ہ"

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

آفتاب سے لیکر ذرہ تک دل ہی دل ہے اور دل آئینہ کی صورت ہے تو گویا اس طوطی کو ہر طرف سے آئینہ میں اپنی شبیہ نظر آتی ہے۔ طوطی اور آئینہ مشہور مضمون ہے۔ مضمون شعر کچھ ایسا ہے کہ تاویل مشکل ہے یعنی اگر غور کیا جائے تو تمام دنیا متحد بوجود واحد ہے۔

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ جسکی بہار یہ ہو پھر اسکی خزاں نہ پوچھ

میرے گھر مین گریہ وزاری کی نمی سے تمام جگہ سبزہ اُگا ہوا ہے اور یہ گویا میرے گھر کی بہار ہے جس سے ویرانی کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر خیال کیجیے جسکی بہار یہ ہے جو خزان سے بدتر ہے تو خزاں کی کیا حالت ہوگی۔ مصنف نے سبزہ کے اوگنے کا کئی جگہ اعادہ کیا ہے۔ جیسے کہ

س اُگا ہے گھر مین سبزہ میری ویرانی تماشا کر مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

یا س اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے دشواری رہ و ستم ہمرہاں نہ پوچھ

مجبوراً ہمکو اب بیکسی کی بھی حسرت اُٹھانی پڑتی ہے۔ یعنی ایسی چیز کی حسرت کرتے ہیں جسکی کوئی حسرت نہیں کرتا۔ مگر بیکسی کو ہم ایسے ہمراہیوں کے ہونے سے اچھا جانتے ہیں جو ظالم ہیں اور جنکی وجہ سے راستہ طے ہونا دشوار ہو گیا ہے۔

مولانا حسرت صاحب نے اسکی یہ شرح لکھی ہے۔ ستم ہمرہاں اس لحاظ سے کہا کہ ان کی موجودگی کے باعث سے بے کسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑتی ہے۔ کیونکہ جب لوگ ہمراہ ہیں تو ہم اپنے آپ کو بے کس بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ مطلب بھی اس شعر سے پیدا ہو سکتا ہے بعض جگہ مصرع ثانی اس صورت سے ہے۔ دشواری رہ ستم ہمرہاں نہ پوچھ۔

یعنی راہ ظلم ہمرہاں کا کاٹنا سخت دشوار ہے جس سے ہم بیکسی کی حسرت اُٹھاتے ہیں کہ کاش ہم بیکس ہوتے تو اس راہ کو طے نہ کرنا پڑتا۔

ردیف یا (ی)

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھائیے طاقت کہاں کہ دید کا احساں اُٹھائیے

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نظر اُٹھائین تو جلوہ ہائے گوناگوں دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ہم میں طاقت نہیں ہے کہ نظارہ کا احسان اُٹھائیں۔ یہ ہمارے لئے بہت دشوار ہے۔

ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق یعنی ہنوز منت طفلاں اٹھائیے

معاش جنوں کا فرمان سنگ طفلاں پر لکھا گیا ہے۔ یعنی جنوں کی معاش کا دارومدار سنگ طفلاں پر ہے اسکے یہ معنے ہیں کہ دیوانہ ہوکر بھی خوشامد اور احسان کی ضرورت باقی رہتی ہے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم اے خانماں خراب نہ احساں اُٹھائیے

دیوار کا خم ہونا محض مزدور کے بار احساں سے ہے لہذا ہرگز کسی کا احسان نہ اُٹھانا چاہئے دیوار کے خم ہونیکی تمثیل کی تخصیص محض خانماں خراب کی رعایت سے ہے۔ غالب نے بار بار اس مضمون کا اعادہ کیا ہے مگر مختلف صورتوں مین۔ اس سے اونکی عادت پر ایک روشنی پڑتی ہے کہ وہ کیسے غیور تھے۔

س نہ پکڑین دامن الیاس گرداب بلا میں ہم کہ بدتر ڈوب مرنے سے ہے جینا اس سہارے کا

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے یا پردۂ تبسم پنہاں اٹھائیے

یا تو میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے یعنی لوگوں سے یہ شکایت نہ کرتے پھریئے کہ یہ جلتا ہے اور رشک کرتا ہے یا یہ جو رقیبوں کے ساتھ آپ چھپ چھپ کر ہنستے ہین اس پردہ کو ہٹائیے اور ہنسنا چھوڑ دیجیے۔ زخم رشک کو رسوا کرنا محض پردہ اور تبسم پنہاں کی رعایت سے کہا گیا ہے۔ یہ شعر بیت الغزل ہے اور اسکی بندش نہایت چست ہے۔